

Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

[www.safareadab.com](http://www.safareadab.com)

بخاور سہری

مرسل

مرسل



از قلم بختاور مشہدی

All Rights Reserved

**Copyright:** Bakhtawer Mashadi (Author)

**Published by:** Safar-e-Adab

**Published On:** safareadab.com

---

To get published with us, contact us via email or website:

[safareadab.com](http://safareadab.com)

[safareadab@gmail.com](mailto:safareadab@gmail.com)

[khanumaira@safareadab.com](mailto:khanumaira@safareadab.com)

[adab@safareadab.com](mailto:adab@safareadab.com)



BEING THE STRING OF YOUR KITE

**Note:** We don't charge anything to publish online. If anyone charges any kind of fee in order to publish your write-ups in the name of Safar-e-Adab, please don't try to go ahead with them and immediately report them using the contact us button on our website. Thank you

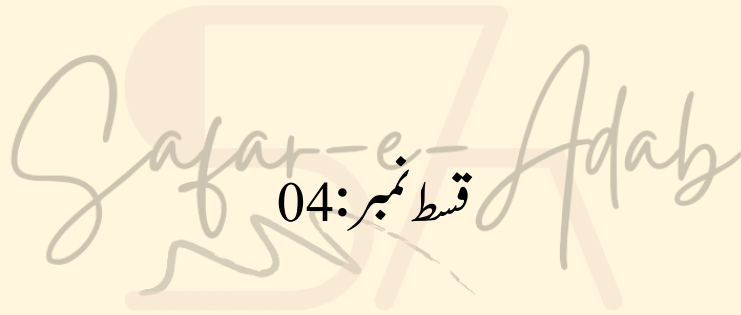
## ضروری بات

مرسل کے تمام جملہ حقوق لکھاری "بختاور مشہدی" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹفارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہوگی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کارروائی کی جاسکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

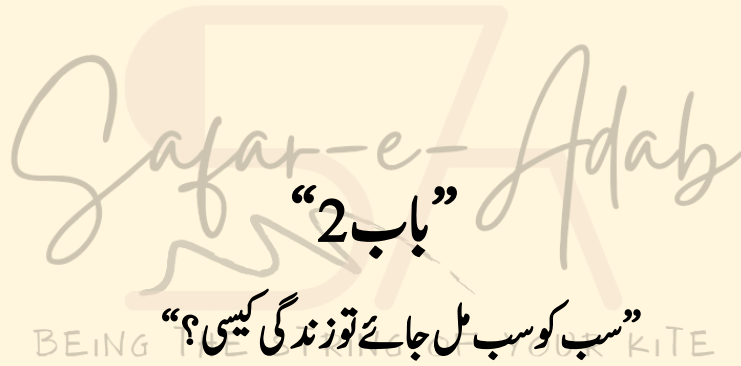


BEING THE STRING OF YOUR KITE





BEING THE STRING OF YOUR KITE



گھڑی کی سوئیوں کو پیچھے گھماؤ تو ہماری کہانی کا حصہ ایک پبلک پارک ہے۔ آسمان سرمئی سے سیاہ ہونے کو تھا۔ آج کل ہوائیں تیز چلنے لگی تھیں اس لیے فضاء میں خنکی کا احساس بھی تھا۔

اسلام آباد کے پبلک پارکس بھی عموماً خاموش اور خالی خالی رہتے ہیں۔ یہاں بھی بس اکا دکا لوگ ہی موجود تھے۔ جن میں سے کوئی نوجوان اپنا لپ ٹاپ لیے بیچ پر بیٹھا منہمک سا کام میں مصروف تھا تو کوئی ہیڈ فون لگائے چہل قدمی کر رہا تھا۔ کسی جگہ کوئی جوڑا گھاس پر آلتی پالتی مارے بیٹھا ساری دنیا کو نظر انداز کیے اپنے گلے شکوں میں مصروف تھا۔

یہ پارک یوں بنا تھا کہ سبزہ زار کے چاروں طرف مصروف سی سڑک تھی۔ اور پارک کے عقب میں اسلام آباد کی مشہور و معروف نیلے شیشوں والی اونچی عمارت سینٹورس مال کھڑی تھی۔ سامنے کی طرف شاہ فیصل مسجد کے مینار نظر آرہے تھے۔

سڑک کے کنارے لگے سنگی بیچ پر دو نفوس موجود تھے۔ پاس سے گزرتی گاڑیوں کی جھلملاتی روشنیاں ان دونوں کے چہرے روشن کیے ہوئے تھی۔ ایسے میں ہادی بیچ پر ٹانگیں لمبی کیے لیٹنے کے انداز میں بیٹھا تھا۔ آج اس نے گول گلے والی سیاہ شرٹ کے ساتھ ویسی ہی جینز پہن رکھی تھی۔ آنکھوں کی شرارت، ہر وقت رہنے والی مسکراہٹ اور لاابالی انداز کہیں غائب سا تھا۔ وہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔

اس کے پاس ہی ایک نوجوان بازوؤں کو سر کے پیچھے رکھے۔ چپل میں قید پیروں کی قینچی بنائے گھاس پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے پاس ایک سیاہ سفری بستہ بھی رکھا تھا۔

قریباً ہادی کی ہی عمر کا تھا۔ گوری رنگت، سرخ و سپید چہرہ اور گہری نیلی آنکھیں۔ وہ بھورے رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ پاکستانی حلیے کے باوجود بھی وہ برطانوی ہی لگتا تھا۔

ہادی کے برعکس اس کے چہرے پر خوشگوار سی مسکراہٹ تھی۔

”تم صرف فیصل مسجد دیکھنے ٹورونٹو سے اسلام آباد آئے تھے؟“ ہادی آنکھوں میں تشویش لیے بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ انگریزی میں بات کر رہا تھا غالباً اس کے برطانوی دوست کو اردو نہیں آتی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”بالکل۔“ اس نے سر کو خم دیا۔ ”دیکھو کتنی خوبصورت لگ رہی ہے۔“ وہ نیلی آنکھوں میں چمک لیے درختوں کی اوٹ سے نظر آتی شاہ فیصل مسجد کے مینار دیکھ رہا تھا۔

”تو پھر اب جا کیوں نہیں رہے؟“ ہادی کے ماتھے پر لکیریں نمودار ہوئیں۔ وہ الجھا الجھا لگ رہا تھا۔

”کیونکہ تین گھنٹے بعد میری فلائٹ ہے۔“ اس نے کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ پاس سے گزرتی ایک گاڑی کی تیز روشنی کے باعث اس کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔

”تین گھنٹے میں تم پوری فیصل مسجد گھومنے کے بعد کسی اچھی جگہ سکون سے ڈنر کر کے ایئر پورٹ میں بھی آدھا گھنٹہ گزار سکتے ہو۔“ ہادی اس کی فضول سی منطق پر واقعی حیران ہوا تھا۔

”اس سے پہلے مجھے ایک اور کام کرنا ہے۔“ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

ہادی ٹھٹکا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ تھا۔ غیر آرام دہ کرنے والا۔

”مجھے بتاؤ تم کیوں آئے ہو؟ کوئی کام ہے؟ یا کوئی مسئلہ؟“ اس کو دیکھ کر ہونے والی خوشی اب ماند پڑ گئی تھی۔ پاکستان واپس آنے کے بعد ان کے رابطے خاصے محدود ہو گئے تھے سو اس کا ایسے بنا بتائے آنا ہادی کو پریشان کر رہا تھا۔

”وہ ویڈیو مجھے دے دو۔“ نوجوان ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

”کونسی ویڈیو؟“ ہادی کو جیسے سمجھ ہی نہیں آیا تھا۔



”جس کی وجہ سے تم پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔“ وہ سنجیدگی سے سیدھا ہو بیٹھا۔ ”مجھے دے دو میں دیکھ لوں گا آگے۔ سمجھ کر کیا رکھا ہے اس خبیث نے۔“ اس کی آواز میں بے انتہا غصہ در آیا۔

”تم اس معاملے سے دور رہو، سیم۔“ وہ واضح طور پر غیر آرامدہ ہوا تھا۔

”کیوں؟“ وہ برہمی سے بولا۔ ”ایک تو تم نے مجھے بتایا نہیں اور اب یہ کہہ رہے ہو؟“ سیم کی پیشانی پر بل پڑے۔ وہ اٹھ کر اس کے ساتھ بیچ پر بیٹھا ہادی نے اسے جگہ دی۔

”کیونکہ یہ میرا مسئلہ ہے میں خود دیکھ لوں گا۔“ اس کی آواز میں تکان تھی۔ پس منظر میں کسی گاڑی میں ہلکا میوزک چل رہا تھا۔ لاشعوری طور پر اس کی توجہ وہاں جانے لگی۔ فجر کی باتیں یاد آئیں۔ لیکن اس نے سر جھٹک دیا۔ اب وہاں میوزک چل رہا ہے تو اس میں اس کی کیا غلطی؟

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”تو پھر ابھی تک دیکھ کیوں نہیں لیا؟ تمہاری بہن تم سے ناراض کیوں ہے؟ اور اتنا ہی سمارٹ پلے کر لیا تھا تو ایک انسان جس نے تمہاری زندگی ختم کرنے کی کوشش کی ہے اس کو ایسے کیوں جانے دے رہے ہو؟“ وہ طنز نہیں کر رہا تھا بس سمجھا رہا تھا البتہ آواز اونچی تھی۔

ہادی کے چہرے پر چونک جانے جیسا تاثر ابھرا۔ پھر گردن موڑ کر سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

”کل رات کی فلائٹ سے وہ یو کے جا رہی ہے۔ اور واپس آئے گی یا نہیں یہ تم مجھ سے بہتر طریقے سے جانتے ہو۔“ کچھ تلخ سادہ آوازیں کے انداز میں۔ ہادی کی نگاہوں کو اس نے نظر انداز کر دیا تھا۔

”تمہیں یہ سب کس نے بتایا ہے؟“ اس کے انداز میں کچھ بدل گیا تھا جو پہلے وہاں نہیں تھا۔

”غیر ضروری ہے۔“ اس نے کندھے اچکا دیئے۔ اگر اس نے انکار کر دیا تھا یعنی وہ نہیں بتائے گا اصرار فضول تھا۔

”دس بجے میری فلائٹ ہے۔“ اس نے کلائی پر بندھی سمارٹ واچ دیکھی۔ ”ابھی سات بج رہے ہیں۔ نو بجے مجھے ایئر پورٹ پہنچنا ہے۔ ایک گھنٹے میں مجھے تمام تفصیلات بتاؤ۔“ وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا۔ پوچھ رہا تھا۔ ہادی خاموشی سے ایک ایک تفصیل بتاتا گیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

پچھلے چند دنوں ایک جھوٹ اور سیٹلمینٹ کی وجہ سے اس نے بہت کچھ جھپٹا تھا۔ پچھتاوا، احساس جرم، فخر کی حق تلفی کرنے کا ملال۔ وہ ایک ایک کر کے ہر چیز بتاتا گیا۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ سیم کے تاثرات بدل رہے تھے۔ غصہ، شاک، ناراضگی۔

”میں نے تمہیں کال کی تھی اور تم نے جواب میں کہا تھا سب ٹھیک ہے۔“ اس کی تمام باتیں سننے کے بعد سیم نے شکوہ کناں انداز میں بس یہی کہا تھا۔

”سب کی اپنی زندگی ہوتی ہے، یار۔“ ہوائیں مزید تیز چلنے لگی تھیں۔ ”تمہارے اپنے اتنے کام ہوتے ہیں۔ کیا ہی کر لیتے تم اگر بتا بھی دیتا تو؟“ ماتھے پر بل ہنوز قائم تھے۔

سیم نے افسوس سے اسے دیکھا۔ ”کیا فائدہ پھر دوستوں کا جب وہ اپنی مصروف زندگی میں سے تمہارے لیے وقت ہی نہ نکال سکیں؟“ وہ گلہ آمیز نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ہادی خاموش ہو گیا۔ بالکل خاموش۔ کچھ باتوں کی کوئی وضاحت نہیں ہوتی اس کے پاس بھی نہیں تھی۔

”اگر تمہیں ہم بیس، پچیس لوگوں میں سے کوئی ایک بھی اس قابل نہیں لگتا کہ وہ تمہاری مدد کرے گا تو ہادی تمہیں اپنے فرینڈ سرکل پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔“ اس کی نیلی آنکھوں اور روشن چہرے پر برہمی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

ہادی کچھ بول ہی نہیں سکا۔ کیا کہتا؟

قریباً ساڑھے آٹھ بجے وہ دونوں ایئر پورٹ کی حدود میں تھے۔ گاڑی کی مکمل طور پر تلاشی کے بعد انھیں اندر داخل ہونے کی اجازت مل گئی تھی۔ یہ ایک کشادہ سڑک تھی جس کے اطراف میں سٹریٹ پولز لگے تھے۔ پورے راستے ان دونوں کے درمیان خاموشی رہی تھی۔

کچھ ہی لمحوں میں وہ روشنیوں میں داخل ہو چکے تھے۔ کافی بڑے رقبے پر پھیلی اس عمارت کے اوپر سفید روشنیوں سے “Islamabad international airport” لکھا ہوا تھا۔

گاڑی اندرونی حصے سے کچھ فاصلے پر پارک کرنے کے بعد وہ دونوں پیدل اندرونی حصے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ہادی شرمندہ تھا اور سیم خفا۔

وہ دونوں جب اندر داخل ہوئے تو تیز روشنیوں نے ان کا استقبال کیا۔ صاف ستھرا چمکتا دمکتا سفید فرش، ایئر کنڈیشنرز سے آتیں سرد ہوائیں، ہاتھوں میں گلاب کے گلدستے پکڑے اپنے مسافر کا انتظار کرتے ہوئے لوگ۔ ہر چیز کو نظر انداز کرتے وہ دونوں سیدھا کافی شاپ کی طرف آگئے۔ ابھی بورڈنگ میں کافی وقت تھا۔

یہاں زیادہ رش نہ تھا بس چند ہی لوگ تھے۔ کیونکہ یہ امیروں کے ہی چونچلے تھے جو ایئر پورٹ پر کافی وغیرہ بیٹیں۔ ورنہ یہاں سو روپے کی چیز دو ہزار کی ملتی تھی۔

دو کافی کا آرڈر دے کر وہ دونوں ایک میز کی جانب آئے۔ سیم نے لیپ ٹاپ کھول کر اپنے سامنے رکھا۔ راستے میں اس نے وہ تمام چیزیں لکھ لی تھیں جو اس نے ویڈیو کے دوران کہنی تھیں۔ اس نے صرف لکھی ہی تھیں کیونکہ الفاظ ہادی کہ تھے۔

فون کو لیپ ٹاپ کے ساتھ ٹکاتے ہوئے اس نے ہادی کو دیکھا۔ وہ مطمئن لگ رہا تھا۔ یا شاید دکھاوا کر رہا تھا۔

بیر امیز پر کافی کے دو بھاپ اڑاتے کپ رکھ کر چلا گیا تھا۔ جن کو سیم نے فلوقت پیچھے کر دیا تھا۔

پھر اس نے ویڈیو بنانا شروع کی۔ کافی دیر تک وہ بولتا رہا۔ ارد گرد سے گزرتے لوگ اسے دیکھتے رہے اور وہ اطمینان سے اپنا کام کرتا رہا۔

”چلو اس کو ایڈٹ کرو اور پوسٹ بھی کر دو۔“ ویڈیو ختم ہونے کے بعد اس نے بے رخی سے کہا۔ ناراضگی بھی تو ظاہر کرنی تھی نا بھئی۔

ہادی نے بس سر ہلادیا اور کام میں مصروف ہو گیا۔ اگلے دس منٹ میں اس نے ویڈیو ایڈٹ کرنے کے بعد پوسٹ بھی کر دی تھی۔ سیم کافی پی رہا تھا ہادی نے اپنی کافی کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا وہ سیم کے رد عمل یا لڑائی کا منتظر تھا لیکن وہ اتنے سکون سے کافی پی رہا تھا۔

سیم ٹریول ویلا گنگ کرتا تھا۔ اس نے اور ہادی نے ساتھ یہ کام شروع کیا تھا۔ ہادی کو شروع سے ہی صحافی بننا تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان دونوں نے اس کام سے خوب کمایا اور مقبولیت بھی حاصل کی۔



پاکستان آنے کے بعد ہادی نے ٹریول ویلا گنگ چھوڑ کر باقاعدہ طور پر شو ہو سٹنگ شروع کر دی تھی۔ جس میں اسے کچھ ہی عرصے میں خاصی مقبولیت ملی۔ جس میں ایک اہم کردار اس کی یوٹیوب اور انسٹاگرام فینڈم کا تھا۔

اس کے برعکس سیم نے ٹریول ویلا گنگ کو اپنے کریئر کے طور پر آگے بڑھایا۔ لیکن پچھلے عرصے کینیڈا میں ہونے والے کسی نوجوان کے قتل کے معاملے میں اس نے آواز اٹھائی اور قتل سے متعلق حقائق بھی بیان کیے۔ اس واقعے کے بعد اس کو چند اور ایسے واقعات پر بات کرنے کا موقع ملا۔

اب یہ کوئی پانچواں کیس تھا جس پر وہ بات کر رہا تھا۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ وہ ویڈیو جنگل میں آگ کی طرح پھیلتی جا رہی تھی۔ کینیڈا، پاکستان، بھارت اور بہت سے ممالک سے کامینٹس موصول ہو رہے تھے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

کچھ ہی دیر میں اس لڑکی کے نام کے ہیش ٹیگز بن رہے تھے۔ لوگ کامینٹس میں اسے گالیاں دے رہے تھے۔ تو کوئی لعنت بھیج رہا تھا۔

”آج کے بعد ایسی کوئی حرکت نہ کرنا، ہادی۔“ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ”تم پاکستانی کہتے ہو یہاں قانون نہیں ہے انصاف نہیں ہے بلا بلا۔“ اس نے ہاتھ ہوا میں لہرایا۔

”ہاں ہونگے مسائل میں انکار نہیں کرتا لیکن پتا ہے کیا؟ مسئلہ لوگ ہیں۔ تم لوگ حقائق چھپا لیتے ہو۔ کبھی کوئی پوسٹ مارٹم رپورٹ بدل دیتا ہے تو کبھی کہیں گواہی چھپالی جاتی ہے۔ قانون گواہ اور ثبوت مانگتا ہے جسے تم لوگ غائب کر دیتے ہو پھر قانون خاک کرے؟“ وہ نرمی سے کہہ رہا تھا لیکن ہادی کو لگ رہا تھا اس کے چہرے پر کسی نے کھولتا ہوا تیل پھینک دیا ہو۔ حقیقت سے بڑا کوئی تمانچہ نہیں ہوتا۔

”مجھے پتا ہے تم ایسے نہیں ہو۔ تم نے یہ فضول حرکت کیوں کی مجھے نہیں پتا لیکن اگر تم واضح بات کرتے تو آج حالات کچھ اور ہوتے۔ جو چیز غلط ہے سو غلط ہے۔ آج کہ بعد اپنے اس فیم کا استعمال کسی کو بلیک میل کرنے کے بجائے کسی اچھے کام میں استعمال کرنا۔“

ہادی کی گردن مزید جھک گئی ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کی شرمندگی میں اضافہ ہو رہا تھا۔

”ایک جھوٹ اپنے لیے ہزار جھوٹ کے دروازے کھولتا ہے۔ اور پھر نہ ایک سنبھالا جاتا ہے نہ ہزار۔ ملک، قانون، انصاف لوگ بناتے ہیں اور جہاں لوگ ایماندار نہ ہوں وہاں پھر کچھ نہیں رہتا۔“

”مجھے اندازہ نہیں تھا یہ سب اتنا پیچیدہ ہو جائے گا۔“ اس کی آواز دھیمی تھی۔

”چور دروازے ایسے ہی زندگی کو پیچیدہ بنا دیتے ہیں۔“

”امید کرتا ہوں آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔“ وہ اٹھ کر اب اپنی چیزیں سمیٹ رہا تھا۔ ”اور اگر ہو تو بغیر سوچے سمجھے بغیر مجھے کال کر لینا۔ میں تم سے صرف ایک کال کی دوری پر ہوں۔“ اسے ہادی کا اثر مندہ ہونا اچھا نہیں لگا تھا اس لیے مسکراتے ہوئے نرم انداز میں کہہ رہا تھا۔

دوستوں کو اگر ان کی غلطیاں نہ بتائی جائیں تو یہ ان کے ساتھ دوستی نہیں غدا رہی ہوتی ہے۔

وہ دونوں ڈیپارچر ایریا کی جانب آگئے تھے۔ مسافر اب اپنے لوگوں کو الوداع کہتے اندر کی جانب بڑھ رہے تھے۔ وہ دونوں لوہے کے جنگلے کے پاس کھڑے تھے۔

کچھ دیر وہ دونوں بے مقصد وہیں کھڑے رہے۔ پھر ہادی نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا۔

”تھینک یو سو مچ۔“ ہادی نے اسے خود سے لگائے بہت ممنونیت اور عقیدت سے کہا۔ دوستی میں کچھ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بس ساتھ دینا ہوتا ہے۔

”ابنی ٹائم فار یو۔“ سیم نے دونوں بازو اس کے گرد جمائل کیے۔ اس کی آنکھوں میں بہت سے جذبات تھے۔ کوئی اسے نقصان پہنچائے یہ خیال بھی جان لیوا تھا۔ وہ کینیڈا کی سرد اور ویران راتوں میں ملنے والا اس کا پہلا ساتھی تھا۔ وہ دونوں ساتھ روئے بھی تھے اور ہنسے بھی تھے۔

کچھ لمحے وہ دونوں یونہی کھڑے رہے۔ پھر الگ ہو گئے۔ ہونا ہی تھا۔ بہترین لوگ ہمیشہ ساتھ نہیں رہتے وہ بس اللہ کی طرف سے بونس ہوتے ہیں۔

اب وہ دور جارہا تھا۔ شیشے کے اس پار جا کر اس نے ایک مرتبہ مڑ کر ہادی کو دیکھا تھا پھر ہاتھ ہلا کر وہ پلٹ گیا۔ ہادی تب تک اسے دیکھتا رہا جب تک وہ لوگوں کے اس ہجوم میں کہیں غائب نہ ہو گیا۔

پھر وہ پلٹ گیا۔ اس نے شام سے فون آن نہیں کیا تھا۔ نہ گھربات کی تھی۔ حد ہوتی ہے لا پرواہی کی۔ خیر می لوگ ابھی ڈنر میں ہونگے۔ وہ بھی وہیں چلا جائے گا۔ تائی کے گھر ہونے والی تقریبات رات دیر تک چلتی تھیں ابھی تو نوبت تھی۔ وہ انھیں سوچوں میں الجھا پار کنگ کی جانب بڑھ رہا تھا۔

\*\*\*\*\*

وسیع سبزہ زار والے قصر میں ویران سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ سفید و سنہری روشنیوں نے سارے کو روشن کر رکھا تھا۔ البتہ اندرونی حصہ روشن نہیں تھا۔ باہر سے دیکھنے میں تمام کمروں کی بتیاں گل نظر آتی تھیں۔

ایسے میں وہ سبزہ زار کے اس حصہ میں بیٹھا تھا جہاں فوارے کے ساتھ کرسیاں اور میز رکھی تھی۔ فوارے کی سجاوٹ کے لئے اس جگہ سنہری روشنی لگائی گئی تھی۔

تیز سنہری روشنی میں اس کی سنہری آنکھوں کا رنگ مزید خوبصورت لگ رہا تھا۔ وہ سفید رنگ کی قمیض شلوار میں ملبوس تھا۔ بازو کہنیوں تک موڑ رکھے تھے اور ہاتھ میں چھوٹی سی چپ جیسی چیز پکڑے ہوئے تھا جسے مختلف زاویوں پر موڑ کر آنکھیں چھوٹی کیے دیکھ رہا تھا۔

میز پر ایک چھوٹا سا تجوری جیسا ڈبہ ادھ کھلا رکھا تھا۔ قریب سے دیکھو تو اس میں چند کارڈز، یو ایس بی اور سمز تھیں۔

پاکستان آنے کے بعد اس نے نمبر تبدیل کر لیا تھا۔ آج کسی کام کے سلسلے میں اسے کچھ پرانے نمبرز چاہیے تھے جو فون میں محفوظ نہیں تھے۔ اسے نمبر سم میں محفوظ کرنے کی عادت تھی۔

سواب وہ اپنے سامنے رکھی پانچ پاکستانی سمز کو فون میں ڈال کر دیکھ رہا تھا۔ اس نے پہلی سم ڈالی اور اس کا کوڈ دیکھ کر اس کو الگ کیا۔ اسے تعجب اس بات پر ہو رہا تھا کہ اس کے پاس صرف چار سمز تھیں۔ دو پاکستانی اور دو کینیڈین۔ یہ پانچویں سم کس کی تھی اور کہاں سے آئی تھی وہ لا علم تھا۔

حاتم گردن جھکائے چھوٹی باریک سوئی سے سم سلاٹ کھول رہا تھا۔ وہ کھلاتو اس نے سم اندر ڈالی۔ سکریں کے اوپر والے حصے میں اب تین نشان نظر آرہے تھے۔ اس نے سیدھا ہو کر سکھ کا سانس لیا۔



قریباً ایک منٹ تک سم چالو ہو گئی تھی۔ وہ ڈائل پیڈ کھولے ہند سے درج کر رہی رہا تھا جب فون وائبر پیٹ ہوا۔ حاتم چونکا۔ فون کی سکرین پر ”فجر“ جگمگا رہا تھا۔ نام کے آگے ایک دل اور ملکہ والا ایموجی لگا ہوا تھا۔ غالباً وہ بھی سم میں نمبر محفوظ کرتا تھا۔

لمحے کے اندر ہی حاتم نے کال اٹھالی۔ فون کان سے لگاتے ہوئے ایک عجیب سا احساس تھا جو اسے ہوا تھا۔ کچھ عجیب یا شاید خوشگوار۔

”عالیجان!“ ڈری سبھی ہوئی نسوانی آواز ابھری۔ ایک لمحے کہ لیے حاتم مقداد کی ساری دنیا رک گئی۔ ایک لمحہ لگا تھا اسے اس لڑکی کی آواز پہچاننے میں۔ یہ آواز تو وہ لاکھوں میں بھی پہچان سکتا تھا۔ وہ تیزی سے سیدھا ہوا۔

”میری گاڑی خراب ہو گئی ہے۔ میں چھتریوں والے پارک کے پاس ہوں۔ یہاں پر کوئی لڑکا بھی ہے۔“ وہ مسلسل رورہی تھی۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کے تاثرات سخت ہوتے گئے۔ زندگی میں پہلی دفعہ اسے واقعی ”خوف“ محسوس ہوا تھا۔

”تم جلدی آ جاؤ پلیز۔“ حاتم نے میز پر رکھی چابی اٹھائی اور تیزی سے گاڑی کی جانب بھاگا۔ زندگی کا ایک باب بند ہوا تھا تو دوسرا منتظر تھا۔

”فون مت کاٹنا میں آ رہا ہوں دروازے لاکڈ رکھو، اوکے؟“ اس نے خود کو کہتے سنا۔

حاتم مقدار کو یہیں چھوڑے چھتریوں والے پارک کی دوسری گلی میں آؤ تو۔ وہ وہیں سیٹ کے ساتھ گھٹنے سینے سے لگائے بیٹھی تھی۔ دوسری جانب موجود شخص اب اس سے مکمل پتہ پوچھ رہا تھا۔

اس نے پوچھا فجر نے بتا دیا لیکن ایک انجانے خوف نے اسے آن گھیرا تھا۔ وہ عالیجان نہیں تھا یہ اندازہ اسے آواز سنتے ہی ہو گیا تھا۔ اسے لگا اس نے غلط نمبر ملایا تھا۔ اس نے تیزی سے فون کان سے ہٹا کر نمبر دیکھا۔ ایک ایک ہندسہ۔ اسے عالیجان کا نمبر یاد تھا۔ وہ کبھی بھولی ہی نہیں تھی۔

لیکن یہ آواز اس نے کہیں سنی تھی۔ اس کی آنکھیں اب بھی گیلی تھیں۔ وہ لڑکا اب تیزی سے دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہر گزرتا لمحہ عذاب تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

بعض اوقات صرف یہی کافی ہوتا ہے کہ کوئی آپ کے لیے ہے کون، کیسا معنی نہیں رکھتا۔

”میں نے دیکھا تھا اندر کوئی تھا۔“ لڑکا بے چینی سے اپنے ساتھ کو بتا رہا تھا۔

”تو پھر کھولو نہ اس کو؟“ دوسرے نے بلند آواز میں کہا۔ ”تم تو اس سب میں۔“ فجر کی سیاہ گاڑی کے سامنے کوئی گاڑی آکر رکھی تھی۔ سامنے والے نے ہیڈ لائٹس روشن کر رکھی تھیں۔

ان دونوں نے مڑ کر دیکھا۔ تیز روشنی کے باعث ان کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

”واٹ دا ہیل!“ ایک لڑکے نے ہتھیلی کی پشت آنکھوں پر رکھتے ہوئے کہا۔ لائٹس یو نہی چھوڑے وہ اب باہر نکل رہا تھا۔

”اندھے ہو نظر نہیں آ رہا؟“ لڑکے کا انداز جارحانہ تھا۔  
 ”نظر آ رہا ہے۔ تم لوگ کیا کر رہے ہو۔ گاڑی چوری کرنے کی کوشش کر رہے ہونا؟“ وہ بے حد اطمینان سے وہاں کھڑا تھا۔ آنکھوں میں کوئی ایسا تاثر نہیں تھا جس سے سمجھا جاسکے کہ وہ پریشان تھا یا نہیں۔

”یہ گاڑی میری ہے چابی گم گئی ہے ہم سے۔“ دوسرے لڑکے نے جلدی سے وضاحت کی۔

”اچھا!“ اس نے ایسے کہا جیسے ان کی بات پر یقین کر لیا ہو۔  
 BEING THE STRING OF YOUR LIFE

”ہاں اب تم جاؤ یہاں سے۔“ لڑکے نے حاتم سے کہا۔

”لیکن گاڑی کے مالک نے ہی مجھے کال کی ہے کہ اس کے پیچھے کچھ سینچرز ہیں۔“ لڑکوں کی رنگت صحیح معنوں میں بدلی۔

”میں نے کال کر دی ہے پولیس کو بلکہ۔“ وہ رکا۔ پھر سامنے دیکھا۔ دو گاڑیاں فجر کی گاڑی کے بالکل پیچھے آکر رکی تھیں۔

گاڑی میں موجود لڑکی نے گردن اٹھا کر باہر دیکھا۔ اس کا دماغ بھک سے اڑا۔ دل میں بہت سے خیال آئے۔ اسے سانس لینے میں مشکل ہو رہی تھی۔

”اللہ پلیز۔“ وہ سر گھٹنوں میں گرائے رونے لگی تھی۔ بے عزتی سے کس کو خوف نہیں آتا؟ پاکستان میں پولیس تک بات جانے کے بعد کیا کیا ہوتا ہے کم از کم اس سب سے وہ ناواقف نہیں تھی۔

واپس تاریک سڑک کی جانب آؤ تو اب حاتم کے ساتھ ایک باوردی افسر کھڑا تھا۔ قریباً تیس، پینتیس سال کا اس نے آسمانی رنگ کی وردی پہن رکھی تھی۔ اس کے ساتھ ہی دو اہلکار ان لڑکوں کو ہتھکڑی لگائے کھڑے تھے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”ایف آئی آر کاٹوان دونوں پر۔“ اس نے افسر سے کہا۔

”حاتم گاڑی کی معلومات اور اس کے مالک کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ ایسے ہی کسی بھی بنا پر ہم نہیں کر سکتے ایسے۔“ افسر تحمل سے بتا رہا تھا۔

حاتم نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

”وہ کھڑی ہے گاڑی اور یہ رہا مالک میں کروا رہا ہوں ایف آئی آر۔“ اس کے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے اور آنکھوں میں سرخ لکیریں نمودار ہو رہی تھیں۔

”حاتم۔“ وہ جیسے بے بس ہوا۔

”میں تمہیں بتا رہا ہوں نہ اس گاڑی کا نام آئے نہ مالکن کا۔“ وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ ”اور ویسے بھی غنڈہ گردی تو کی ہے ان لڑکوں نے دو، چار دن اندر رہیں گے تو عقل ٹھکانے لگ جائے گی۔ بے غیرت۔“ اسے بہت کم غصہ آتا تھا لیکن جس وقت سے اس نے ان لڑکوں کو اس طرح گاڑی کو کھولنے کی کوشش کرتے دیکھا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا دو لگا دے ان کو۔

”اپنی پرسنل ریزنر؟“ افسر آنکھوں میں تشویش لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ ”میں نے تمہیں کبھی ایسی حرکتیں کرتے نہیں دیکھا۔ تمہیں تو سفارشی نظام سے سخت نفرت ہے۔“

”پہلے کبھی ایسا کچھ ہوا بھی نہیں تھا۔“ اس کے چہرے پر بے اختیار سی مسکراہٹ اٹھ کر معدوم ہوئی۔ البتہ پہلی بات اس نے نظر انداز کر دی تھی۔

”کیسا؟“ زید ہونقوں کی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ دن دیکھنا رہ گیا تھا؟



”کچھ نہیں۔ گاڑی وہ والی تھی۔“ اپنی گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔ ”اور مالک میں ہوں جو مسئلہ ہو مجھے کہنا۔“ اس کے انداز میں تنبیہ تھی یا گزارش وہ سمجھ نہیں سکا۔

”اوکے۔“ زید سر ہلا کر وہاں سے چلا گیا۔ البتہ جاتے ہوئے اس نے فجر کی گاڑی کا نمبر بہت غور سے دیکھا تھا۔

ان کے جانے کے بعد حاتم نے اس نمبر پر دوبارہ کال کی۔ اگلے ہی لمحے رابطہ جڑ گیا۔ ”آپ گھر کیسے جائیں گی؟“ کوئی احساس تھا جو اسے ہوا تھا اس لڑکی سے بات کرنا بھی بہت مشکل تھا۔ وہ اب اپنی گاڑی میں بیٹھا ہوا تھا۔ ان کی گاڑیاں آمنے سامنے تھیں۔ ایسے کہ وہ سامنے والے شیشے سے نظر آتا اس کا سرخ متورم چہرہ دیکھ سکتا تھا لیکن دیکھا نہیں ہمت ہی نہیں ہوئی۔

وہ کافی دیر سے ڈرائیونگ سیٹ پر موجود تھی۔ لمبی انگلیوں والا ہاتھ سٹیئرنگ پر رکھا ہوا تھا اور دوسرے میں فون تھا۔ اس کے ہاتھوں میں لرزش تھی۔ چہرے پر آنسوؤں کے مٹے مٹے نشان تھے۔ اب وہ رو نہیں رہی تھی۔

”میں۔“ وہ ابھی کچھ کہتی کہ کسی دوسرے نمبر سے کال آنے لگی۔

پھر حاتم نے سر اٹھا کر اس جانب دیکھا پھر اسے فون کان سے ہٹاتے دیکھا۔ سکرین دیکھ کر پہلے وہ چونکی پھر کوئی تشکر سا تھا جو اس کے چہرے پر پھیل گیا۔ نہ جانے کیوں اسے اچھا لگا۔ فون کان سے لگاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دوبارہ آنسو تھے۔ حاتم نے چہرہ موڑ لیا۔

دومنٹ بعد اسے ٹیکسٹ موصول ہوا تھا۔

”آپ جائیں میرا بھائی آرہا ہے۔“ حاتم نے دوبارہ اس طرف دیکھا۔ اس نے سر سٹیرنگ وہیل پر ٹکا رکھا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ بھی نظر اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔  
”اوکے!“ میسج موصول ہوا تو اس نے سر اٹھایا۔

پھر انگلیوں نے سکرین پر حرکت کی۔

”جزاک اللہ خیر۔“ حاتم نے دیکھا۔ شعوری لا شعوری طور پر شاید اسے اس کا انتظار تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”اپنا خیال رکھا کریں۔ لوگ دارالحکومت میں بھی وہی ہیں اور صوبوں کے کسی چھوٹے قصبے میں بھی۔“ اس نے لکھ کر بھیج دیا۔ پھر اس نے فجر کو سکرین سے نظریں اٹھاتے دیکھا۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں کچھ تھا کہ اس نے نظریں پھیر لیں۔ پھر اس نے گاڑی سٹارٹ کی اور آگے بڑھا دی۔ گلی سے باہر نکل کر اس نے ایک طرف گاڑی روک دی تھی۔ یہ تو طے تھا جب تک اس کا بھائی نہیں آئے گا وہ یہاں سے جا نہیں سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد ایک سفید گاڑی سیاہ گاڑی کے پاس رکی۔ ایک نوجوان باہر نکلا اس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر وہ نیچے اتری۔ وہاں روشنی بہت ہلکی تھی ان دونوں کے چہرے واضح نہیں ہو رہے تھے۔

مرد اب دوسری گاڑی لاک کر رہا تھا۔ پھر وہ دوسری طرف سے گھوم کر گاڑی میں بیٹھا۔ اگلے کچھ لمحوں میں وہ گاڑی اس کے سامنے سے گزر کر آگے بڑھ گئی۔

وہ اسے ایسے کیوں دیکھ رہی تھی؟ عالیجان سے اس کا کیا تعلق تھا؟ وہ دونوں دوست تھے یا؟ پاس کہیں کسی گھر سے کتے کے بھونکنے کی آواز آئی تو وہ خیال سے باہر آیا۔

پھر اس نے سر جھٹکا۔ اسے کیا جو مرضی ہو۔ انگنیشن میں چابی لگاتے ہوئے اس کے ذہن میں دوبارہ وہی خیالات تھے۔ شعوری لاشعوری طور پر وہ اسے سوچنا چاہتا تھا۔

\*\*\*\*\*

”فجر۔“ کچھ جھجھکتے ہوئے ہادی نے مدھم آواز میں اسے پکارا۔

”ہوں۔“ وہ شیشے سے سر ٹکائے باہر دوڑتی سڑک دیکھ رہی تھی۔ ہادی اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا مگر کچھ دیر قبل اس نے فجر کی سرخ و متورم آنکھیں دیکھی تھیں۔

یہ سڑک ویران نہیں تھی۔ سٹریٹ پولز کی روشنی گھنے اونچے درختوں پر پڑ رہی تھی۔

”کچھ ہوا ہے؟“ وہ آنکھوں میں پریشانی لیے اسے دیکھ رہا تھا۔  
 ”نہیں ابھی ہوا نہیں تھا۔“ چیزیں کس حد تک جاسکتی تھیں اسے اندازہ تھا۔

وہ اسے نہیں بتا رہی تھی؟ کیا وہ ایسا بھائی تھا جس سے بات کرتے ہوئے وہ ڈرتی؟ دل میں بہت کچھ ابھر کر  
 ڈوبا لیکن جب وہ بولا تو آواز مستحکم تھی۔

”تم ٹھیک ہونا؟“

فجر نے رخ اس کی طرف کیا۔ پھر اسے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔  
 ”ٹھیک ہوں تبھی یہاں بیٹھی ہوں۔“ باقی کا سفر خاموشی سے گزرا۔ وہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی اور ہادی  
 اسے مجبور نہیں کر سکتا تھا۔

”تم اس بات پر ناراض ہو؟“ گھر پہنچ کر جب گاڑی رکی تو ہادی نے اس سے پوچھا۔ دروازہ کھولتے اس کے  
 ہاتھ رکے۔ دل بھی۔ ایک لمحے کو دل کیا اسے سب بتائے اور دوبارہ رونے لگ جائے۔ لیکن کچھ چیزیں  
 واقعی فوراً معاف نہیں کر دینی چاہیے پھر سامنے آپ کے بہن بھائی ہوں یا کوئی اور۔

”نہیں۔“ سپاٹ سا جواب دے کر وہ بنا کوئی فالتوبات کیے گاڑی سے اتر گئی۔ جب تک وہ اندر نہیں گئی ہادی اسے دیکھتا رہا۔ چار سال بعد اگر اس میں مثبت تبدیلیاں تھیں تو منفی بھی تھیں۔

وہ جب گاڑی سے باہر آیا تو گاڑ کسی دوسری آنے والی گاڑی کے لیے دروازہ کھول رہا تھا۔ وہ وہیں رک گیا۔

گاڑی عالیحان کی تھی۔ وہ زاہرہ کو چھوڑنے آیا تھا۔ وہ اندر چلی گئیں عالیحان تب باہر آیا۔

وہ کیا پوچھے گا ہادی کو پتہ تھا۔ اس نے تمام سوال جواب تیار کر رکھے تھے۔ اسے برا لگا تھا وہ ایک مرتبہ اس کی بات سن سکتی تھی۔ بات کر سکتی تھی لیکن نہیں۔ وہ بھی نہیں منائے گا اب۔ ایسا ہے تو پھر ایسا ہی سہی۔

”سیم کب آیا ہے؟“ توقع کے برخلاف وہ خوشگوار انداز میں پوچھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خفگی جیسا کوئی تاثر نہیں تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”آج اور چلا بھی گیا ہے۔“ کوئی اداسی سی تھی اس کے انداز میں۔ آہی گیا تھا تو رک جاتا کچھ وقت کے لیے۔

”نہ کرو یاں میں جیلس ہو رہا ہوں۔“ اس نے ایسے کہا جیسے ابھی رونے لگے گا۔

”شٹ اپ!“ وہ مسکرایا۔

”اب احتیاط کرنا۔ انسان بن کر رہو۔ جو کر چکے ہو اس کا جواب بھی آسکتا ہے۔“ وہ متفکر تھا۔  
ہادی نے بس سر ہلا دیا۔

”ویسے سیم جیسا ایک دوست تو میں بھی ڈیزرو کرتا ہوں۔“ وہی انداز، وہی مسکراہٹ وہ پہلے جیسا لگ رہا تھا۔

”میں سچ میں جیلس ہوتا ہوں۔“ وہ خفا ہوا۔ عالیجان کھکھلا کر ہنسا۔ پھر ان کی آوازیں مدھم ہوتی گئیں۔ اونچے درخت خاموشی سے انہیں دیکھے گئے۔

\*\*\*\*\*

یہ نئی صبح جہاں کسی کے لیے بلندیاں لانے والی تھی وہیں کسی اور کو ذلت کی ایسی کھائی میں پھینک چکی تھی جہاں سے باہر آنا ناممکن سا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں سنگھار میز کے سامنے کھڑا تھا۔ ہاتھ میں پرفیوم کی شیشی پکڑے اپنی گردن پر چھڑکتے ہوئے وہ رکا۔ ایک تنقیدی نظر خود پر ڈالی۔

ہشاش ہشاش چہرہ، نفاست سے سیٹ کردہ بال، کلائی میں برینڈ ڈگھڑی۔ وہ اچھا نہیں بہت اچھا لگ رہا تھا۔ یہ تبصرہ اس نے خود اپنی شان میں کیا تھا۔

پھر اس نے میز پر رکھی ٹائی اٹھائی۔ ابھی اس نے ٹائی گلے میں ڈالی ہی تھی کہ فون تیزی سے بجنے لگا۔ اس نے پاس رکھا فون اٹھایا۔ ساری خوشی کی جگہ ایک سرد سے تاثر نے لے لی۔

پھر اس نے ایئر پورڈز کے ساتھ فون کنیکٹ کیا اسے جلدی کہیں پہنچنا تھا۔ رابطہ جڑا تو اس نے ٹائی کی ناٹ باندھنی شروع کی۔

”کیسے ہیں، سر؟“  
 ”یہ سب تم نے کیا ہے، نا؟“ وہ غرائے۔ آواز سے ایسا لگتا تھا جیسے ان کا بس نہ چل رہا ہو وہ سب تھس تھس کر دیں۔  
 BEING THE STRING OF YOUR KITE

”کیا؟“ وہ ابرو اٹھائے انجان بنا۔ دوسری طرف سے کچھ کہا گیا۔ ان کی آواز مزید تیز ہو رہی تھی۔

اس کے لب ”اوہ!“ میں سکڑے۔  
 ”افسوس ہوا لیکن یہ سب میں نے نہیں کیا۔“ وہ ایسے کہہ رہا تھا جیسے ان کی ”پاگل“ بیٹی کی تباہی سے سب سے بڑا نقصان اس کا ہوا ہو۔

”بکو اس کرتے ہو؟ میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں گھٹیا انسان۔“ وہ اس کی شان میں مزید القابات کہہ رہے تھے لیکن ہادی کے اطمینان میں رتی برابر فرق نہیں پڑا۔

”بکو اس کرنے کا تو پتہ نہیں لیکن بکو اس سنتا نہیں ہوں میں آئندہ مجھ سے اس ٹون میں بات مت کیجیے گا۔“ ٹھنڈے ٹھار انداز میں کہتے ہوئے اس نے مقابل کو ساکت کر دیا تھا۔ وہ اس دن سے مختلف تھا بے حد مختلف۔ اس نے ٹائی ایسے ہی چھوڑ دی اتنے تماشے میں وہ ٹائی کیسے باندھے؟

”ہادی میکال میں تمہیں تباہ کر دوں گا تم دیکھنا اس دن صرف گاڑی پر گولیاں چلوائی تھیں اب سینے میں ماروں گا اس یقین دہانی کے ساتھ کہ تم بچ نہ سکو۔“ ان کے منہ سے کف نکل رہا تھا۔

”اونہوں، سر۔“ اس نے سردائیں بائیں نفی میں ہلایا۔ ”آئندہ مجھ تک یا میرے گھر تک نہ آئیے گا ورنہ میں بھی ہر دفعہ معاف نہیں کرتا۔“

”تم حساب دو گے۔“ وہ بے بسی سے غرائے۔



”آپ کے علم میں اضافہ کروں تو میں نے آپ کی یہ کال ریکارڈ کر لی ہے ابھی چند اور اعتبار کے لوگوں کو بھیج رہا ہوں آپ نے اپنے پچھلے جرم کا بھی اعتراف کیا مجھے اچھا لگا۔“ اس نے کہتے ہوئے سنگھار میز سے ٹیک لگائی۔

”اب بتائیں میں کیا کروں؟ آپ کی گولیوں کا انتظار یا یہ اعتراف بھی وائرل کر دوں؟“ ایسے پوچھا جیسے حکم آئے گا اور وہ سر تسلیم خم کرے گا۔

”لعنت ہو تم پر!“ غصے و بے بسی سے کہہ کر انھوں نے رابطہ منقطع کر دیا۔ ہادی نے سر جھٹکا۔ کچھ کام اور باتیں بروقت کر لی جائیں تو بہتر رہتا ہے۔

پہلے اس نے ٹائی باندھی اور پھر وہ مڑا صوفے پر رکھا آسمانی رنگ کا کوٹ اٹھا کر پہنا۔ میز سے چابی، والٹ اور ایر پورڈز اٹھا کر وہ باہر آ گیا۔

اس کا رخ فجر کے کمرے کی طرف تھا۔ رات والا ”ایسا ہے تو پھر ایسے ہی سہی۔“ اب تک ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔

اس نے چار انگلیاں دروازے پر ایسے بجائی جیسے کوئی سر ہو۔  
”آجائیں۔“ اس کی آواز زکام زدہ تھی۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے ماتھے پر پریشانی سے بل پڑے۔ نونج گئے تھے اور وہ فجر کے بعد نہیں سوتی تھی۔

ہادی نے آگے بڑھ کر لیمپ آن کیا تو سارے میں زرد سی روشنی پھیل گئی۔ وہ سر تک لحاف تانے ہوئے تھی۔

”فجر۔“ نرمی سے پکارا۔

فجر نے چہرے سے چادر ہٹائی۔ اس کا چہرہ دیکھ کر ہادی کی پیشانی پر بل نمودار ہوئے۔

اس کے چہرے کی رنگت سرخ ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں سرخ لکیریں تھیں جو شاید رات رونے کی وجہ سے تھیں۔ ہلکے بھورے رنگ کے بالوں کی چند لٹیں چہرے کے گرد گر رہی تھیں جس سے رنگت مزید دمک رہی تھی

”تمہیں بخار ہے؟“ ساتھ ہی اس نے فجر کا ماتھا چھوا۔ اسے تیز بخار تھا۔

فجر نے بس سر ہلادیا۔ اس میں کچھ بھی بولنے کی ہمت نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔

”میں ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں۔ ممی کو بتایا ہے؟“ وہ اس کے پاس بیٹھانرمی سے پوچھ رہا تھا۔ یہ وہ روپ تھا جو وہ بس کبھی کبھی ظاہر کرتا تھا۔ ورنہ تو وہ اس کی بڑی بہن اور ہادی چھوٹا بھائی لگتا تھا۔

فجر نے نفی میں گردن ہلائی۔ وہ خالی خالی نظروں سے دروازے کو دیکھ رہی تھی اس کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔

ایک دم اپنی تمام حرکتوں پر شرمندگی ہوئی۔ ہادی نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر گرتے بال پیچھے کیے۔

پھر وہ اٹھ کر اس کے سامنے فرش پر گھٹنوں کے بل بیٹھا۔ اسے اپنے نئے سوٹ اور آدھے گھنٹے بعد آنے والی اپنی زندگی کی ایک بڑی خوشی کی کوئی فکر نہیں تھی۔

”میں ممی کو بتاتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں بابا بھی آنے والے ہیں۔ پانی دوں؟“ وہ اس وقت بس نادم لگ رہا تھا۔

فجر نے پھر نفی میں سر ہلادیا۔

”آئی ایم سوری یار۔“ انداز مزید نرم ہو گیا۔ ”میں نے سب غلط کیا۔ میں بہت شرمندہ ہوں واقعی۔ تم بدلہ لے لینا مجھ سے لیکن ناراض نہ ہو پلیز۔“

”وہ سب اس وقت مجبوری میں کرنا پڑا تھا۔ تم اتنی چڑچڑی ہو گئی تھی میں بات ہی نہیں کر سکا۔“ وہ اب اس کی طرف دیکھ رہی تھی اسے کچھ حوصلہ ہوا۔

”اگر میں اس وقت وہ سب بول دیتا تو وہ بچی پاکستان میں رہ جاتی اس کا حال تباہ ہو چکا ہے میں نہیں چاہتا تھا مستقبل بھی ہو جائے۔ تم سمجھ رہی ہونا میری بات؟“ فجر نے سارے میں پہلی مرتبہ اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے کندھوں سے منوں بوجھ اتر گیا۔

”میں نے ان کو کوراپ نہیں کیا۔ کل رات اس واقعے کے تمام ثبوت سامنے آ گئے ہیں۔ میں نے ہی کروائے ہیں۔ آئی ایم سوری۔“

”اٹس اوکے۔“ اس کی آواز دھیمی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

ہادی نے کھڑے ہوتے ہوئے سکون کا سانس لیا۔

”دودن سے تم سے لڑائی نہیں ہوئی تھی مزہ ہی نہیں آ رہا تھا۔“ وہ گہرا مسکرایا۔

”اب جاؤ میں بیمار ہوں۔“ اس کے سر میں واقعی درد ہو رہا تھا۔

”اسی لیے منانے آیا تھا اگر اسی بیماری کے زیر اثر تم وفات پا گئی تو میں تو ساری زندگی گلٹ میں رہوں گا۔“ وہ شرارت سے مسکرایا۔

”گیٹ آؤٹ!“ اکتاہٹ واضح تھی۔

”میں ممی کو بھیجتا ہوں دوائی لو، کھانا کھاؤ اور رات تک ٹھیک ہو جانا آئس کریم کھانے جائیں گے۔“ کہہ کر وہ چلا گیا۔ فجر کا دل کر رہا تھا اپنا سر پیٹ لے۔ اٹھائیس سال کا ہو گیا ہے عقل کب آئے گی اس کو؟

کچھ دیر بعد جب زاہرہ آئیں تو اس کا چہرہ دیکھ کر ہی پریشان ہو گئیں۔ اب وہ اسے ناشتہ کروا رہی تھیں اور ساتھ ساتھ اس کے تمام قصور بھی گنوا رہی تھیں۔ کم نہ کھایا کرو، پھل نہیں کھاتی، کتنا کم سوتی ہو، اتنا کام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

\*\*\*\*\*  
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اسلام آباد کی اس مشہور و معروف یونیورسٹی میں اس وقت معمول کا رش تھا۔ کہیں کوئی طلبہ اپنی کلاسز کو جارہے تھے تو دوسری طرف کچھ کلاس بنک کر کے کیفے کی جانب۔

موسم آج خوش گوار تھا۔ نیلے آسمان میں سفید بادلوں کی آمیزش تھی۔ ایسے میں اس وسیع سبزہ زار میں کئی طلبہ لڑکے لڑکیاں گروہ بنائے بیٹھے تھے۔ کچھ نے سرفون پر جھکائے ہوئے تھے تو کہیں کوئی نوٹس لیے بیٹھا تھا۔

ان سب سے الگ ایک لڑکی آلتی پالتی مارے گھاس پر بیٹھی تھی۔ پاس ہی اس کا سیاہ بستہ رکھا تھا۔ جس پر ”ٹیلو پس“ بنائے گئے تھے۔

اس نے ہاتھ میں سکیچ بک پکڑی ہوئی تھی۔ جس پر وہ کوئی خاکہ بنا رہی تھی۔

کچھ قدم دور بیچ پر دو لڑکے بیٹھے تھے۔ غالباً اکیس، بائیس سال کے قریب۔ ان میں سے ایک کی نظریں اسی طرف تھیں۔

لڑکی پورے انہماک سے سر جھکائے اپنا کام کر رہی تھی اور وہ ایک بازو بیچ کی پشت پر پھیلائے محویت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ گول گلے والے سیاہ کرتا شلوار میں ملبوس تھی۔ ڈوپٹہ گردن میں مفکر کی طرح اوڑھ رکھا تھا۔ ڈھانچے میں رنگ بھرتے اس کے ہاتھ سانولے تھے۔ لمبی پتلی انگلیوں میں ایسی مہارت تھی جیسے وہ بہت سالوں سے یہ کام کرتی رہی ہو۔

اس کی نظریں ہاتھوں سے ہوتی ہوئی چہرے تک گئیں۔ اس کی رنگت میں خوبصورت سا سانولا پن تھا جو دھوپ پڑنے سے مزید دمک رہا تھا۔ بھوری آنکھیں، ناک میں چاندی کی نوز رنگ، اس کے نقوش

پرکشش تھے اپنی طرف کھینچنے والے۔ گہرے سیاہ بال جو اس نے ڈھیلی پونی میں باندھ رکھے تھے۔ چند لٹیں نکل کر اس کے چہرے پر بھی گر رہی تھیں۔

دفعاً کوئی اس کے پاس آکر بیٹھا۔ منظر بلاک ہو گیا۔ حالاً نے گردن ترچھی کر لی اب وہ نظر آرہی تھی۔ وہ چونکی پھر سر اٹھایا تو سامنے بیٹھے شخص کو دیکھ کر دھیرے سے مسکرا دی۔ وہ مسکراتی تھی تو اس کی آنکھیں چھوٹی ہو جاتی تھیں۔

حالاً نے رخ موڑ لیا۔ اسے وہ شخص غیر ضروری لگ رہا تھا۔ اور اس کا اسے دیکھ کر مسکرانا اضافی۔

”یہ لڑکا کون ہے؟“ اس نے اپنے ساتھ بیٹھے لڑکے سے پوچھا۔  
 ”کون؟“ جو کب سے فون میں مصروف تھا چہرہ اٹھا کر اطراف میں دیکھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”وہ سامنے۔“ اس نے انگلی سے اشارہ کیا۔ ”زروا کے ساتھ۔“ اضافہ کیا۔ آواز میں کچھ چبھتا ہوا تھا۔

”یہ اس کا بیسٹ بڈی ہے۔ دونوں کالج میں بھی ساتھ تھے۔ اب سبجیکٹس چینج ہیں دونوں کے۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟“ وہ عام سے انداز میں بتا رہا تھا البتہ آخر میں وہ چونکا تھا۔

”ایسے ہی۔“ نظریں دوبارہ سبزے کی جانب گئیں۔ اب وہ دونوں وہاں سے اٹھ رہے تھے۔ زرو اس کی کسی بات پر ہنس رہی تھی۔ لڑکے نے اس کا بستہ تھام رکھا تھا۔ وہ بھرے مجمعے میں ”ٹیو پلس“ والا بستہ تھامے کھڑا تھا۔ بنا کسی شرم، کسی جھجھک کے۔ وہ نظریں موڑنا چاہتا لیکن نہیں موڑ سکا۔

وقت کے پیسے کو ماضی میں لے جائیں تو وہ ایک راہداری سے گزر رہا تھا۔ راہداری میں بنے اس آخری کمرے کے باہر چند طلبہ کھڑے تھے۔ وہ ٹھٹھک کر رکا۔ پھر ان کے پاس آگیا۔

”کچھ ہوا ہے؟“ وہ ان سے زرا فاصلے پر جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ سب ساتھ مڑے۔

سیاہ شرٹ اور جینز میں ملبوس، شرٹ کے اوپر والے دو بٹن کھلے ہوئے تھے۔ صاف رنگت، ہلکی بھوری آنکھیں جن کی پلکیں مڑی ہوئی تھیں، تیکھے نقوش اور سیاہ بال۔ وہ دراز قد ہونے کے باعث اپنی عمر سے ایک، دو سال بڑا لگتا تھا۔

”رینگ!“ جواب دینے والا سعد تھا۔

”دروازہ کھولیں!“ بند کمرے میں کسی کی بلند آواز گونجی۔ اس آواز میں کوئی خوف نہیں تھا۔

”کھولو اس کو۔“ اس نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا پھر ان سب کو۔



”حالا رتھوڑی۔۔“ لڑکی منمنائی۔

”سمجھ نہیں آرہا میں کہہ رہا ہوں کھولو؟“ وہ تیز آواز میں کہہ کر آگے بڑھا اور سامنے کھڑے لڑکے کے ہاتھ سے چابی لے کر دروازہ کھولنے لگا کوئی کچھ نہیں بولا۔ اس کے آگے پیچھے گھومنے والے کم ہی اس کے سامنے کچھ بولا کرتے تھے۔

دروازہ کھول کر وہ کچھ قدم پیچھے ہٹ گیا۔ جیسے راستہ دیا ہو۔ کچھ ہی لمحوں میں وہ باہر آئی۔

بھوری آنکھوں والی لڑکی نے ایک نظر اٹھا کر ان سب کو دیکھا۔ اس کا چہرہ سرخ تھا۔ وہ خوف زدہ نہیں تھی غصے میں تھی۔

”تربیت ظاہر کر رہے ہو زیادہ کچھ نہیں۔“ اس کی آواز، چہرہ، انداز سب اتنا نڈر تھا کہ حالاً ربس اسے دیکھے گیا۔

”شٹ اپ!“ حارث دو قدم آگے بڑھا وہ پیچھے ہوئی البتہ انداز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ویسے ہی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی رہی۔

”حارث!“ انداز نرم مگر تنبیہ کرتا ہوا تھا۔ حارث بے بسی بھرے غصے سے پیچھے ہٹ گیا۔ زروا نے اس کو دیکھا۔ نگاہوں میں تشکر تھا۔ اس نے بس سر کو خم دیا۔ پھر وہ چلی گئی۔

”حالا رہم مزاق۔“ سعد نے وضاحت کرنا چاہی۔

”لعنت ہو تم سب پر!“ اس کی بات کاٹ کر ایک بھی نگاہ ان پر ڈالے بغیر وہاں سے نکل آیا۔

فون کی تیز گھنٹی سے وہ حال میں واپس آیا۔ مگر ذہن کہیں پیچھے رہ گیا۔ دل بھی۔ اس دن کے بعد وہ اسے جب بھی نظر آئی تھی مزید اچھی لگی تھی۔

”بابا سائیں ہیں بات کرو۔“ فون زین کے ہاتھ سے لے کر وہ اس طرف آگیا جہاں سے وہ ابھی اٹھ کر گئی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”جی بابا سائیں۔“ وہ نظریں جھکائے اپنے جوتوں کو دیکھتے ہوئے دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔

”کب آؤ گے؟“ وہ سندھی زبان میں بات کر رہے تھے۔

”ابھی تو واپس آیا ہوں کچھ وقت میں آؤں گا۔“ ان سے بات کرتے ہوئے وہ ویسا ہی سنجیدہ مگر نرم ہو گیا تھا۔

”جس لیے گئے ہو، وہ کر کے واپس آ جانا۔ سنا ہے شہر جانے والے دل وہیں چھوڑ آتے ہیں۔“ ان کے نرم انداز میں تنبیہ تھی۔ حالانکہ بے اختیار وہاں دیکھا جہاں سے وہ گزری تھی۔

”دل چھوڑ بھی آیا تو خود واپس آ جاؤں گا۔“ وہ زخمی سا مسکرایا۔ آنکھوں میں بہت کچھ ابھر کر معدوم ہوا۔

\*\*\*\*\*

قصر مقداد کی بالائی منزل میں بنے اس سفید دیواروں والے کمرے کا رخ کریں تو وہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ بس لیمپ کی مدھم زرد روشنی نظر آتی تھی۔

شام ہونے کو تھی اور وہ اب تک سو رہی تھی۔ دفعتاً فون بجا۔ وہ چونکی نہیں بس ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا۔ فون کان سے لگاتے ہوئے وہ اٹھ بیٹھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”کہو۔“ فون کان اور گردن کے بیچ میں پھنسائے وہ ہاتھوں سے بال سمیٹ رہی تھی۔

”حرم سیم پاکستان آیا تھا تم نے مجھے نہیں بتایا؟“ وہ شکوہ کنناں انداز میں کہہ رہی تھی۔ ”تمہیں پتا ہے نا مجھے اس سے ملنے کا کتنا کریز ہے۔“ سارہ نے اس کے باپ کی وفات کے ایک ماہ بعد صرف اس لیے کال کی تھی کیونکہ سیم حرم کا دوست تھا اور وہ اس سے ملنا چاہتی تھی۔ آپ کی شہرت دیکھ کر رابطے بڑھانے والے لوگ واقعی اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتے۔

”میرے باپ کو مرے ہوئے ایک مہینہ ہو گیا ہے تب تم نے مجھے کال کرنے کی زحمت تک نہیں کی اور اب مجھ سے ایسے سوال کر رہی ہو جیسے میں تمہارے باپ کی نوکر ہوں؟“ ماتھے پر بل لائے وہ اب بیڈ سے اتر رہی تھی۔

”یار میں تمہارے گھر آنا چاہ رہی تھی۔“ وہ تاویلیں گھڑ رہی تھی۔  
 ”اوہ پلینز کام ہے مجھے کچھ فون بند کر رہی ہوں۔“ درشتی سے کہہ کر اس نے فون بیڈ پر اچھا ل دیا اور خود واک ان کلازٹ کی جانب بڑھ گئی۔

کچھ دیر بعد جب وہ باہر آئی تو پستہ رنگ کی لمبی قمیض اور ٹراؤزر میں ملبوس تھی۔ لمبے گھنگریالے بال آدھے کچھڑ میں بند تھے اور باقی کھلے ہوئے۔ اس نے سیاہ رنگ کے فلیٹس پہن رکھے تھے۔ گردن میں موجود چھوٹا ہیرا آج بھی چمک رہا تھا۔  
 کمرہ اب بھی اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ روشنیوں میں رہنے والی کو اب روشنی سے کوفت ہوتی تھی۔ حرم نے آگے بڑھ کر سب بتیاں روشن کر دیں۔ پردے کھول دیے باہر دھوپ نہ سہی لیکن روشنی اب بھی موجود تھی۔

پھر وہ الٹے یو جیسے آئینے کے سامنے آکر کھڑی ہوئی۔ اس کے کان اور ہاتھ ہر قسم کے زیور سے خالی اور چہرہ میک اپ سے پاک تھا۔ ایک نظر خود کو دیکھ کر وہ کمرے سے باہر آ گئی۔

قصر کے تمام کام اس کے بغیر بھی ہو رہے تھے۔ دنیا نہیں رکی تھی سب کچھ چل رہا تھا۔ یہ بات اگر انسان سمجھ لے تو کہاں کی امیدیں اور کہاں کی مایوسی؟

نقصان ہو رہا تھا تو بس اس کا اپنا۔ کسی کو ہمارے ہونے نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا یہ بات سب کو سمجھنی چاہیے۔

وہ بنا کسی سے بات کیے پورچ کی طرف آگئی۔ ڈرائیور سے گاڑی کی چابی لی۔ کچھ ہی دیر میں اس کی گاڑی چھتریوں والے پارک کے پاس سے گزری۔ اب وہاں وہ سفید گاڑی نہیں تھی۔  
 ایک موٹر کاٹنے کے بعد گاڑی مرکزی شاہراہ پر تھی۔ آسمان کارنگ بدل کر زرد ہو چکا تھا۔ شام سارے پر اپنے پر پھیلانے کو تیار تھی۔  
 BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس نے رفتار مزید بڑھا دی۔ شیشے کھول دیے۔ ہوا کے تیز جھونکے اندر آنے لگے۔ ایک سکون سا تھا جو آج میسر ہوا تھا۔ اپنا اصل چھوڑ کر بھاگو تو انسان بے سکون ہی رہتا ہے۔ گاڑی چلانا اس کا محبوب شوق تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی ایک بھورے گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ نیلے بورڈ پر سفید رنگ میں ”ایف نائن پارک“ لکھا ہوا تھا۔ گاڑی پارک کرنے کے بعد وہ ”میگازون“ کی جانب آگئی۔

اس نے یہاں میمبر شپ لے رکھی تھی۔ اندر آؤ تو ماحول بالکل ویسا ہی تھا جیسا آخری مرتبہ اس نے دیکھا تھا۔ خاموش مگر دلچسب۔ وہ اندر کی جانب آگئی۔ کافی دیر وہ وہاں بیٹھی رہی یہاں پر بھی اس کے دوست تھے۔ انفلو اینسرز کے ہر جگہ دوست ہوتے ہیں۔

عجیب احساس تھا۔ جس، گھٹن، بے بسی۔ وہ وہاں سے اٹھ کر باہر آگئی۔ گاڑی کے قریب جاتے ہوئے وہ رکی، مڑ کر سبز قطعے کی جانب دیکھا۔ اسے گھر نہیں جانا تھا، کم از کم کچھ دیر کے لیے اس لیے وہ اس طرف آگئی جہاں قدرے فاصلے پر چند سنگی بنچ لگے تھے۔ پاس ہی پتھریلی روش تھی۔

وہ ایسے ہی ایک بنچ پر بیٹھ گئی۔ چہرے پر گرتے بالوں کو سمیٹ کر جوڑا بنایا مگر لمحوں میں ہی وہ واپس کھلتے چلے گئے۔ نظریں بے مقصد اطراف میں گھومنے لگیں۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

روش پر ایک باپ بیٹی ٹہل رہے تھے۔ تیس، بتیس سالہ مرد ایک چھوٹی بچی کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔ سرخ بھرے بھرے گالوں والی بچی سر اٹھائے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے باپ کو کچھ بتا رہی تھی۔

حرم بس ان کو دیکھے گئی۔ بنا کسی وقفے کے۔ بچی کے اشارہ کرنے پر اس نے بھی آسمان کی جانب دیکھا۔

آسمان ہر کچھ لمحوں میں رنگ بدل رہا تھا زرد سے نارنجی، نارنجی سے نیلا اور نیلے سے سرمئی۔ بادل حرکت کرتے ہوئے نظر آنے لگے تھے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ضرور اس لمحے کو محفوظ کرتی۔

پھر اس نے بچی کو دیکھا۔ مرد اب اس کی طرف متوجہ تھا۔ وہ اب اس کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ رہا تھا۔ بچی اس کے کان میں سرگوشی کے انداز میں کچھ کہہ رہی تھی۔ مرد کا ہاتھ اب بھی یوں تھام رکھا تھا جیسے چھوٹ گیا تو وہ کہیں کھو جائے گا۔

(اسے ہسپتال میں جہازیب کا ہاتھ تھامنا یاد آیا۔ یقین سا ہو گیا ہاتھ چھوڑ دو تو لوگ کھو جاتے ہیں)

اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا۔ دل نئے سرے سے ٹوٹا۔ تکلیف سی تکلیف تھی۔ جب باپ مر جائے تو دوسرے بچوں کو ان کے باپ کے ساتھ دیکھنا ہمیشہ تکلیف دہ ہی ہوتا ہے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اب مرد بھی آسمان کو دیکھ رہا تھا شام گہری ہوتی جا رہی تھی۔ بچی اب باپ کو جوش سے کچھ بتا رہی تھی۔ وہ منہمک سا اسے سن رہا تھا۔ جیسے بچی اس کے علم میں کوئی بہت بڑا اضافہ کر رہی ہو۔

(ایک اور باسی منظر ذہن میں تازہ ہوا۔ جب وہ سولہ سال کی تھی تب وہ جہانزیب کے ساتھ کسی کام کے تحت پنجاب کے چند دیہات میں گئی تھی۔ راستے میں اس نے کافی چیزیں دیکھیں ان جگہوں کی معلومات جمع کیں۔ نہ صرف جمع کیں بلکہ دو گھنٹے ان کو بٹھا کر وہ سب کچھ سنایا بھی۔ وہ ایسے سنتے رہے جیسے لاعلم

ہوں، اسے سراہا بھی۔ کچھ عرصے بعد وہ ان کے انٹرویو دیکھ رہی تھی ان میں ایک جگہ ان تمام چیزوں کا ذکر بھی تھا جو اس نے بتائی تھیں لیکن انٹرویو کی تاریخ پنجاب جانے سے پہلے کی تھی۔)

گلے میں آنسوؤں کا پھندا سا اٹکا۔ دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔ ایک مہینے میں پہلی بار اسے لگا جیسے اس کا باپ مر گیا ہے۔

مرد نے کچھ کہا۔ بچی کھلھلا کر ہنسی۔ مرد جو یقیناً بچی کا باپ تھا اس نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں گال باری باری نرمی سے چومے۔ پھر اسے سینے سے لگایا۔ آنکھیں بند کیے وہ بچی کو سینے سے لگائے ہوئے تھا۔

اونچے گھنے درخت، پتھر یلہ روش، گہری ہوتی شام اور بچ پر بیٹھی لڑکی سب انہیں دیکھ رہے تھے وہ کسی کہانی کا مکمل منظر معلوم ہوتے تھے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

(اس کے پاس سب تھا پھر بھی وہ ہر صبح اس سے سوال کرتے تھے ”کچھ چاہیے؟“ گھر سے نکلتے ہوئے اسے گلے لگاتے تھے۔ اس کا سر چومتے تھے۔ یہ احساس کہ وہ خاص ہے اسے اس کے باپ نے دلوا یا تھا۔)

یہ وہ لمحہ تھا جہاں اس کا ضبط ٹوٹ گیا۔ آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گالوں پر بہہ نکلے۔ مضبوط لڑکی کہیں پیچھے رہ گئی۔ وہ سر گھٹنوں میں گرائے بلند آواز میں رونے لگی۔ جو گیا تھا وہ اس کا باپ تھا نقصان بڑا تھا۔ ناقابل تلافی۔



پچھلے ایک مہینے میں اس نے بہت سی چیزیں دیکھی تھیں۔ صدمہ، دکھ، تنہائی، تکلیف، ملال۔ جب اس نے جہازیب کے چہرے سے وہ چادر ہٹائی تھی اس کا دل ہر احساس سے خالی ہو گیا تھا۔

ہر چیز سلوموشن میں اس کی نظروں کے سامنے آنے لگیں وہ مزید تیزی سے رونے لگی۔ پھر اس کا رونا سسکیوں میں بدل گیا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا زندگی اسے اس نہج پر لے آئے گی۔

بہت دیر وہ روتی رہی۔ ہر گزرتا لمحہ یہ احساس دلارہا تھا کہ اب وہ یتیم ہے۔ اتنے وقت وہ جس سچ سے بھاگ رہی تھی وہ اب سر اٹھائے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ تکلیف، ہوک، ملال۔ دل کر رہا تھا وقت میں پیچھے جائے اور زندگی کا ہر وہ لمحہ جو اس نے جہازیب کے بغیر گزارا تھا ان کے ساتھ گزارے۔

اذائیں شروع ہوئیں تو اس نے سر اٹھایا۔ اطراف میں دیکھا اب وہاں کوئی باپ بیٹی نہیں تھے۔ البتہ کچھ دیر میں اندھیرا ہونے والا تھا۔ تقریباً ہو چکا تھا۔

وہ وہاں سے اٹھ آئی۔ ہاتھوں سے چہرہ صاف کیا لیکن آنکھیں دوبارہ بھگنے لگیں۔ بال بکھر گئے تھے لیکن اسے پرواہ نہیں تھی۔ وہ گاڑی کی جانب آگئی۔ دروازہ کھولتے ہوئے اس کے ہاتھوں میں لرزش تھی۔

پارک کی حدود سے نکلتے ہوئے اس کا ذہن خالی تھا نہ دل۔ بہت سی باتیں، یادیں، خیالات اس کے دماغ کو الجھا رہے تھے۔ اب وہ رو نہیں رہی تھی۔ اسے پتا تھا اسے کیا کرنا ہے اور کیسے رہنا ہے۔

انسان جتنی جلدی یہ سمجھ جائیں کہ جو چلا گیا وہ واپس نہیں آئے گا تو زندگی کے آدھے مسئلے تو ایسے ہی حل ہو جائیں۔

\*\*\*\*\*

شام رات میں بدل گئی تھی اور اب اسلام آباد مزید خاموش اور پرسکون ہو چکا تھا۔ بھوری اینٹوں والے گھر کے لونگ روم کی بتیاں روشن تھیں۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو زائیرہ کو سامنے بیٹھا دیکھ کر مسکرایا وہ بھی جواباً مسکرائیں۔ وہ بھورے رنگ کی قمیض شلوار میں ملبوس تھا۔ اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نمایاں تھے مگر آنکھوں میں چمک تھی۔

دھیرے سے دروازہ بند کرتے ہوئے وہ ان کے قریب آیا۔ وہ کسی کتاب کی ورق گردانی کر رہی تھیں اسے قریب آتا دیکھ کر میز پر رکھ دی۔ عالیحان نے ان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے انھیں اپنے کندھے سے لگایا۔

”اپنی تھنگ سپیشل؟“ انھوں نے اس سے الگ ہوتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

”کیفے کا پیپر ورک مکمل ہو گیا ہے۔“ مسکراہٹ اس کے لبوں سے جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔

”مبارک ہو!“ انھیں یاد نہیں تھا آخری مرتبہ وہ کب ایسے مسکرایا تھا۔ یہ چمک، خوشی، اطمینان وہ اس کے چہرے پر دیکھنے کے لیے وہ بہت عرصہ ترسی تھیں۔

”شکریہ!“ اس نے سر کو خم دیا۔ ”کیا پڑھ رہی ہیں؟“ اس نے میز پر رکھی کتاب دیکھی۔

”چھوڑو یا رکتا بوں کی باتیں کتابیں پڑھنے والوں کے ساتھ ہی اچھی لگتی ہیں!“ وہ مسکرائیں۔  
”میں پھر بھی آپ کے ناولز نہیں پڑھوں گا۔“ وہ ہلکا سا ہنسا۔

”عالیجان تم صرف ایک عمارت کے لیے اتنا خوش ہو؟“ وہ اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

”اس ایک عمارت سے میرا رزق جڑا ہے۔“ اسے خود بھی نہیں پتا تھا وہ کیوں اس کیفے کو لے کر اتنا خوش تھا۔

”وہ تو لاء سے بھی جڑا ہے مگر میں نے کبھی تمھیں اس کے لیے اتنا خوش نہیں دیکھا۔“ جتنی تیزی سے جواب آیا وہ لاجواب ہوا۔

”مجھے خود بھی نہیں پتا لیکن یہ سب کچھ تو بابا کا ہے کیفے میرا ہو گا شاید اس لیے۔“ اس نے جھر جھری لی۔

”عالیجان تمہارے اس کیفے سے بہت سے لوگ منسلک ہو جائیں گے۔ ان کا خیال رکھنا کیونکہ ان کا رزق بھی اس عمارت سے جڑ جائے گا۔“ انھوں نے عمارت پر زور دیا۔

عالیجان نے بس سر ہلادیا لیکن وہ وہاں سے اٹھا نہیں ان کے پاس وہیں بیٹھا رہا۔

”تھینک یو!“ کچھ دیر بعد وہ بولیں تو عالیجان چونکا۔ پھر ان کی آنکھوں کی نمی دیکھ کر حیران ہوا۔  
”کیا ہوا ہے، ممی؟“ وہ واضح طور پر پریشان ہوا۔

”میری جوانی ضائع نہ کرنے کے لیے، شکریہ!“ ان کی آنکھوں میں نمی اور چہرے پر آسودہ سی مسکراہٹ تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر انھیں کندھے سے لگایا ان کا سر چوما کہا کچھ نہیں بعض اوقات الفاظ بے معنی ہوتے ہیں۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”جب اولیولز کے بعد تم نے مجھے بھائی کا گھر چھوڑنے کو کہا تھا مجھے سب بہت مشکل لگتا تھا۔ سب نے اس عمل کی سخت مخالفت کی کیونکہ تم بچے تھے۔ تم نے کہا تم پر یقین کروں۔“ وہ انھیں کندھے سے لگائے ان کا کندھا تھپک رہا تھا۔

”تم بچے تھے سب کے نزدیک نا سمجھ بھی۔ لیکن میں نے تمہاری بات مان لی۔ ہم اپنے گھر آ گئے۔ تم نے اس مکان کو گھر بنایا۔ جب ہم یہاں آئے تھے تم سولہ سال کے بالکل نہیں لگ رہے تھے۔ اس دن مجھے احساس ہوا تھا میں نے اپنی جوانی ضائع نہیں کی۔“ عالیحان نے ان کا چہرہ دیکھا وہ باقاعدہ رورہی تھیں۔ ماؤں سے اپنی تعریف سننا بہت مشکل ہوتا ہے۔

”خیر ہے آج مجھ نالائق پر بہت پیار آرہا ہے؟“ شرارتی انداز میں پوچھا۔

”تم نے سہی کہا تھا۔“

”کیا؟“

”تمہیں اپنی شناخت چاہیے۔“

کئی سال پرانا منظر ذہن کے پردے پر تازہ ہوا۔ یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب وہ بھی چنبیلی کے پھولوں والے گھر کا مکین تھا۔ بالائی منزل میں بنے اس کمرے میں اس وقت نیم اندھیرا تھا۔ زائیرہ بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھیں اور سولہ سالہ لڑکا ان کے قدموں میں بیٹھا تھا اس نے ان کے دونوں ہاتھ تھام رکھے تھے۔

”عالیحان یہ سب مشکل ہے۔“ وہ تذبذب کا شکار تھیں۔

”ممی یہ ہمارا گھر نہیں ہے۔ مجھے اپنے گھر جانا ہے دادو کے پاس وہ گھر میرا بھی اتنا ہی ہے جتنا چاچو اور ان کی فیملی کا۔“ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، غصہ تھا۔

”عالیجان وہاں رہنا آسان ہوتا تو میں یہاں نہ آتی۔“ انھوں نے بہت ضبط سے کہا۔

”او کے!“ اس نے سر کو خم دیا۔ ”پھر ہم اس گھر میں چلے جاتے ہیں جو بابا نے آپ کو دیا تھا۔“ اس کا انداز حتمی تھا۔

”یہاں پر کیا مسئلہ ہے؟“ وہ جھنجھلائیں۔

”مجھے ماموں کے نہیں اپنے باپ کے نام سے سوسائٹی میں پہچانے جانا ہے۔“ وہ ششدر سی اسے دیکھے گئیں۔

”سب لوگ مجھے میکال اور اسحاق ماموں کے نام سے پہچانتے ہیں۔ مئی میری اپنی ایک شناخت ہے۔ لوگوں کو مجھے میرے باپ کے نام سے پہچاننا چاہیے۔“ وہ بس اسے دیکھے گئیں وہ اپنی عمر سے بہت بڑی بات کر رہا تھا۔

”میں عالیجان عزیز ہوں اس کے علاوہ اور حوالہ یا نام مجھے بس غیر آرامدہ ہی کرتا ہے۔“ وہ رکنا نہیں دیکھا پھر اٹھ کر ان کے ساتھ بیٹھا۔

”اس وقت شاید ہمیں سپورٹ کی ضرورت تھی اب نہیں ہے۔ آپ پلیز ایک بار سوچیں ناں۔“ وہ منت کر رہا تھا۔ ”وہ سب جس کو ہم چھوڑ کر بیٹھے ہیں وہ میرے باپ کا ہے۔ مجھے ایک ایک چیز واپس چاہیے۔“ اس وقت انھیں احساس ہوا تھا جن بچوں کے باپ نہ ہوں ان کو جتنے پروں میں بھی رکھا جائے وہ وقت سے پہلے بڑے ہو جاتے ہیں۔

حال میں واپس آؤ تو اب اس کے پاس گھر بھی تھا اور وہ سب کچھ بھی جس کو وہ چھوڑے بیٹھا تھا۔ سب سے بڑھ کر اب لوگ اسے عزیر احمد کے بیٹے کے نام سے جانتے تھے نہ کہ ”میکال، اسحاق“ کے بھانجے کی نسبت سے۔

”It was all possible just because of you“  
وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ کافی دیر وہ اس کی تعریف کرتی رہیں اور وہ خاموشی سے سننے لگا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”رینویشن کب شروع کرواؤ گے؟“ بات وہیں آگئی جہاں سے شروع ہوئی تھی۔ اب وہ انھیں مزید تفصیل سے کیفے کے بارے میں بتا رہا تھا۔ ان سے ان کی رائے لے رہا تھا۔

\*\*\*\*\*

چمبیلی کے پھولوں والے گھر میں آج رونق سی تھی۔ میکال دن میں لاہور سے واپس آگئے تھے کچھ دیر پہلے ہی ہادی بھی واپس آگیا تھا۔ اسحاق نے کسی کام سے میکال کو ملنے آنا تھا سو ان کا خاندان بھی یہیں موجود تھا۔

زاہرہ اور زبیلا اونچ میں بیٹھیں تھیں اور مرد حضرات باہر لان میں تھے۔ ان سب سے دور وہ فجر کے کمرے میں موجود تھی۔ کمرہ سفید روشنیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ دونوں بیڈ پر بیٹھی تھیں۔ فجر نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا رکھی تھی اور منہ اس کے سامنے آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔

اس نے نیلے رنگ کی قمیض شلوار پہن رکھی تھی۔ اور چہرے پر ہلکا سا میک اپ کر رکھا تھا۔ بال کھلے چھوڑے ہوئے تھے۔  
”تمہیں پتا ہے آج بھی مئی نے وہی کیا ہے۔“ وہ افسردگی اور غصے کے ملے جلے تاثرات لیے بتا رہی تھی۔

”کیا؟“ منہا کے برعکس اس نے پرنٹڈ قمیض شلوار پہن رکھی تھی۔ بال جوڑے کی صورت میں باندھ ہوئے تھے۔ اس کا چہرہ نقاہت زدہ تھا صبح کا بخار اب آ کر کم ہو رہا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”جب میں تیار ہو کر نیچے آئی تو انہوں نے مجھے کہا کہ مجھے وائٹ بیس استعمال کرنی چاہیے یا پھر گلوٹا تھایون لینے چاہیے۔“ وہ رو نہیں رہی تھی لیکن آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا تھا۔

”وہ مجھے اون ہی نہیں کرتیں۔ اگر کبھی کوئی کہہ دے میں ان کی طرح لگتی ہوں تو وہ کہتی ہیں میں بابا جیسی ہوں۔“ فجر بس خاموشی سے سنتی رہی۔ اس کے سر میں درد تھا۔



”ان کو بھائی زیادہ اچھا لگتا ہے۔ وہ اس کو اون کرتی ہیں سب کو بتاتی ہیں کہ وہ ان کا بیٹا ہے لیکن مجھے ہمیشہ کسی تھرڈ پرسن کی طرح ٹریٹ کرتی ہیں۔“ آنکھوں کا پانی بہہ نکلا تھا اور اب وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ فجر نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا۔ وہ مزید تیزی سے رونے لگی۔

کافی دیر وہ روتی رہی اور فجر نے اسے رونے دیا۔ جب وہ رو کر فارغ ہوئی تو فجر نے اس سے پوچھا۔

”مسئلہ کیا ہے ان کا بھائی کو زیادہ پسند کرنا یا تمہیں یہ کہنا کہ وائیٹ بیس لگالو؟“ اس نے غور سے منہا کا چہرہ دیکھا۔

”دونوں۔“ فجر نے سائیڈ ٹیبل کے دراز سے اسے ٹشو نکال کر دیے۔

”بڑے بابا کس سے زیادہ پیار کرتے ہیں؟“  
 ”مجھ سے لیکن وہ بھائی کو نگلیکٹ نہیں کرتے بس مجھے زیادہ اٹینشن دیتے ہیں۔“ چند لمحے وہ خاموش رہی پھر جواب دیا۔

”ایسے ہی تائی بھی تمہیں نگلیکٹ نہیں کرتیں بس حسن ان کو تھوڑا زیادہ پسند ہے۔“ وہ جانتی تھی یہ کوئی معقول بات نہیں تھی لیکن فحال یہی سمجھ آ رہا تھا۔

”تمہیں پتا ہے بھائی کی شادی کی بات ہو رہی ہے اور ممّا کو تم بہت پسند ہو۔“ حسن کے نام پر وہ پچھلی بات بھول کر پر جوش سی اسے بتا رہی تھی۔ ”بھائی نے ہاں نہیں کی لیکن انکار بھی نہیں کیا۔“

فجر جو اسے کچھ سمجھانے لگی تھی اس کا وجود سناٹوں میں چلا گیا۔ چند لمحے وہ اس بات کو پر اسیس ہی نہیں کر سکی۔

”میں نے کچھ غلط بات کر دی؟“ منہا ایک دم پریشان ہو گئی۔  
 ”نہیں، اٹس اوکے!“ اس نے مسکراتے کی کوشش کی لیکن وہ مسکرا بھی نہ سکی۔

”میں تمہیں بلانے آئی تھی بابا بھی آئے ہوئے ہیں۔“ فجر کے سر میں عجیب سادرد ہونے لگا تھا۔

پھر وہ اٹھ کر سنگھار میز تک آئی۔ سوٹ کے ساتھ کا دوپٹہ سکارف کی طرح پن اپ کیا اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور آنکھیں بوجھل تھیں۔

وہ دونوں جب نیچے آئیں سب لوگ لونگ روم میں ہی موجود تھے۔ سامنے والے بڑے صوفے پر اسحاق اور میکال بیٹھے تھے ان کے سامنے والے صوفے پر زاہرہ اور زیبا دائیں بائیں والے چھوٹے صوفوں پر ہادی اور حسن۔

منہا زیبا کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس نے پہلے زیبا کو سلام کیا انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں اسے گلے لگایا۔ پھر وہ اسحاق کے پاس آگئی انہوں نے اپنے ساتھ اس کے لیے جگہ بنائی وہ ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔

”ہنی چہرہ کیوں اتنا اترا ہوا ہے؟“ زیبا فکر مند سے استفسار کر رہی تھیں۔ ہادی اور حسن اپنی کوئی باتیں کر رہے تھے حالانکہ جب وہ دونوں آئیں تب بھی توجہ نہ دی البتہ اس بات پر دونوں نے فخر کی جانب دیکھا تھا۔

”طبعیت ٹھیک نہیں ہے اس کی۔“ فخر کچھ کہتی اس سے پہلے ہادی نے بتایا۔  
 ”اوہو۔“ انہوں نے افسوس سے سردائیں بائیں ہلایا۔ ”میڈیسن لی ہے؟ خیال رکھا کرو اپنا۔ سوشلائز کیا کرو۔ آج کل لڑکیاں کتنا کچھ کرتی ہیں اتنی سادگی بھی اچھی نہیں لگتی۔“ وہ مسکرا کر نرمی سے سمجھا رہی تھیں۔ ہادی نے انہیں دیکھا پھر فخر کو وہ بس سر ہلار ہی تھی۔ لڑکیاں تو اور بھی بہت کچھ کرتی ہیں کیا وہ بھی کرنے لگ جائے؟ استغفر اللہ!

”وقت ہی نہیں ملتا ان سب چیزوں کے لیے۔“ اس نے شائستگی سے اپنی بات کہہ دی۔

”بڑے بابا منہا آج یہیں رک جائے؟“ اوپر جب وہ رو رہی تھی تو پہلا حل اس کے ذہن میں یہی آیا تھا۔ زیبا نے ایک دم اسے دیکھا پھر جبراً مسکرائیں۔

”یہ تو منہا بتائے گی نا۔“ البتہ اسحاق نے بس اتنا ہی کہا۔ منہا نے فوراً رضامندی دے دی۔ اپنے گھر میں نظر انداز ہونے والے بچوں کو ہمیشہ فرار کا موقع چاہیے ہوتا ہے۔

کچھ دیر میں کھانا لگوایا گیا۔ اسے بھوک نہیں تھی لیکن پھر بھی وہ ڈائیننگ روم میں آگئی۔ سربراہی کرسی پر اسحاق بیٹھے تھے وہ جب بھی آتے تھے تو میکال وہ جگہ خالی چھوڑ دیتے ان کے سیدھ میں ویسی ہی کرسی خالی تھی اور میکال ان کی دائیں جانب بیٹھے تھے ان کے ساتھ زائیرہ، ہادی اور اگلی کرسی پر فجر۔ ایسے ہی سامنے زیبا، منہا اور حسن۔

”ہادی یہ ویڈیو تم نے نشر کروائی ہے نا؟“ کھانے کے دوران اسحاق کے عام سے انداز میں کہنے پر جہاں وہ چونکا وہیں سب اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔

چہرے کا رنگ بدل گیا اس نے اب تک فجر سے اس بارے میں بات نہیں کی تھی۔

”وہ ویلا اگر تمہارا خاصہ قریبی دوست ہے نہیں؟“ انھوں نے کانٹا پلیٹ میں رکھ کر اسے دیکھا۔

”جی۔ میں نے ہی کروائی ہے۔ میں بس کچھ چیزوں کا انتظار کر رہا تھا ورنہ مجھے احساس ہے کہ جو ہوا تھا کتنا برا تھا اور میں فجر سے اس سب کے لیے شرمندہ ہوں۔“ وہ سنجیدگی سے انھیں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا فجر کے نام پر خاصہ زور دیا۔

”مجھے تم پر اعتماد ہے۔“

ہادی نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بس دھیرے سے مسکرا دی۔ بہن بھائی گھر میں جو مرضی کر لیں باہر والا کوئی کچھ کہے تو برداشت نہیں ہوتا۔ خون کی کشش یونو۔

”اچھی بات ہے لیکن اپنا خیال رکھا کرو۔ بڑے کام کرنے ہیں تو سیکیورٹی رکھو ساتھ۔ یہاں قتل ہونے میں بھی دیر نہیں لگتی۔“ وہ اب بھی سنجیدہ ہی تھے۔ میز پر موجود تمام نفوس اس موضوع سے غیر آرامدہ ہو رہے تھے سوائے فجر کے۔

”ڈیڈ کوئی اور بات کرتے ہیں۔“ حسن کھنکارا۔  
 ”فکر ہے مجھے اس کی اس لیے کہہ رہا ہوں۔ نقصان ہو جائے تو پھر پورا نہیں ہوتا۔ دوبارہ کہہ رہا ہوں آئندہ احتیاط کرنا۔“ وہ کہہ کر اسی سنجیدگی سے کھانا کھانے لگے۔  
 کھانے کے بعد چائے پیش کی گئی کچھ ہی دیر میں سب واپس نارمل ہو چکے تھے۔ بات چیت ہوتی رہی۔ وہ لوگ اپنے گھر واپس چلے گئے اور منہا وہیں رک گئی۔

”پھر کیا ہوا؟“ آدھی رات ہونے کو تھی اور منہا کی باتیں ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔  
 ”میں نے انکار کر دیا تھا۔“

”اچھا کیا۔“ کمرے میں نیم اندھیرا تھا اور وہ دونوں بیڈ پر بیٹھی تھیں ایسے کہ فجر نے بیڈ سے ٹیک لگا رکھی تھی اور منہا اس کے پاس تکیہ رکھے ہوئے لیٹی تھی۔

”مجھے ناکبھی کبھار سب کچھ بہت یاد آتا ہے۔ وہ گید رنگز، گھومنا پھرنا، وہ سب لوگ۔ اب تو کچھ بھی پہلے جیسا نہیں ہے اگر ایک ملتا ہے تو دوسرا مصروف سب اپنی لائف میں لگن ہیں۔“ فجر کی مسکراہٹ غائب ہوئی لیکن وہ اس موضوع پر آئیں گی اسے معلوم تھا۔

”کیونکہ اب ہم سب adults ہیں اور اس وقت بچے تھے ہماری کوئی ذمہ داری نہیں تھی۔“

”اور ایک تم ہو ٹھیک ہے تمہارے انٹر سٹس بدل گئے ہیں لیکن ملنے جلنے میں کیا حرج ہے گیسپس آجاتے ہیں دوستوں میں لیکن۔“ وہ کچھ کہہ رہی تھی جب فجر نے ٹوک دیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”دوست نہیں چھوٹے چاہیں۔ اور اگر چھوٹ جائیں تو واپس ملنے نہیں چاہیے۔ کیونکہ ان کے ساتھ رہ کر پہلے کی طرح نہ رہنا زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔“ پہلی مرتبہ اس نے اس قدر واضح انداز میں یہ بات کی تھی۔ منہا خاموش ہو گئی۔

”ویسے بھی چیزوں سے موو آن کرو۔ پرانے لوگوں میں اٹکے رہیں گے تو زندگی مشکل لگنے لگے گی۔“ اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

”تم نے کر لیا مو آن؟“ اسے لگا جیسے کسی نے اس پر ٹھنڈا پانی پھینک دیا ہو۔ ”آئی ماما کو بتا رہی تھیں تم ہر رشتے کو انکار کر دیتی ہو۔ کیوں؟“

”دور اندر تمہیں بھی سب یاد آتے ہیں۔ تم نے اگر اس کو ہاں نہیں کہا تھا تو انکار بھی نہیں کیا تھا۔ چیزیں اتنی یک طرفہ نہیں تھیں فجر۔“ وہ اٹھ بیٹھی۔

اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ سچ کا تھپڑ ہمیشہ ایسے ہی لاجواب کرتا ہے۔

”تم نے مجھے بتایا تھا تم عالیجان کو پسند کرتی ہو پھر اس موضوع کو بار بار چھیڑنے کا مقصد؟“ اس کے ماتھے پر بل پڑے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”میرے کرنے سے کیا ہوتا ہے؟“ کچھ دیر وہ دونوں خاموش رہیں۔ کافی دیر بعد فجر نے بات کا آغاز کیا۔

”میں کسی بھی رشتے کو اس کی وجہ سے انکار نہیں کرتی۔ جب مجھے واقعی لگے گا کہ میں ایسے کسی تعلق کو سنبھال سکتی ہوں تب جو بہتر ہو گا دیکھا جائے گا۔ جو چیزیں میں نے چھوڑی ہیں مجھے اس پر کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ غلطیوں پر شرمندہ ہوا جاتا ہے انہیں یاد نہیں کیا جاتا۔ اور وہ سب میری غلطی تھی مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن جب مجھے احساس ہوا میں نے اس غلطی کو درست کرنے کی کوشش کی اگر تم میں سے

کوئی بھی اس سب کی وجہ سے ہرٹ ہوا ہو تو آئی ایم سوری۔“ وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی اور منہا سنتی جا رہی تھی۔

”بعض اوقات ہم سب کچھ معلوم ہوتے ہوئے بھی اتنے لاعلم بن جاتے ہیں جس کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔“ وہ رکی۔ ”مجھے بھی اٹھانا پڑا شاید ہم سب کو لیکن مجھے ٹھو کریں منظور ہیں مگر ابھی نہیں۔“

”آج کے بعد ہم اس حوالے سے بات نہیں کریں گے مجھے نہیں پسند ان سب چیزوں کا ذکر امید ہے تم میرے فیصلے کا احترام کرو گی۔“

”اتنی جلدی دس سال کا ساتھ کوئی کیسے بھول سکتا ہے؟“ وہ حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”جس کے دل میں اللہ کا خوف ہو۔“ وہ مسکرائی اور اٹھ کر باہر آگئی۔

”اگر بھائی مان گئے تو ان کو کنسڈر کرو گی؟“ وہ اس کے پیچھے باہر آگئی اس کے چہرے پر تعجب تھا۔  
 ”میں چاہتی ہوں ایسا کوئی ذکر بھی نہ ہو۔“ اس نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔  
 ”اگر ہو گیا تو؟“ وہ گرل سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔



”منہا کوئی اور بات نہیں ہو سکتی؟“ وہ واضح طور پر غیر آرام دہ ہوئی تھی۔ کچھ چیزیں اور باتیں وقت پر چھوڑ دینی چاہیے کیونکہ ہر بات کا جواب نہیں ہوتا۔

\*\*\*\*\*

صبح جب وہ تیار ہو کر نیچے آئی تو حاتم پہلے سے ہی ڈائینگ روم میں موجود تھا۔ وہ سیدھا ڈائینگ روم کی جانب ہی آگئی۔ اس نے دیکھا تھا اسے دیکھ کر تمام ملازم اپنے کاموں میں محتاط ہو جاتے تھے۔

حاتم کہیں جانے کے لیے تیار لگ رہا تھا۔ سرمئی سوٹ، جیل سے سیٹ کردہ بال، بڑھی شیو اور ہمیشہ رہنے والی مسکراہٹ۔ وہ پہلے کی نسبت ہشاش بشاش لگ رہا تھا۔

وہ اپنی جگہ پر آئی اور کرسی کھینچی۔ بیٹھنے کے بعد اس نے بے اختیار سی نظر پہلے میز پر موجود لوازمات پر ڈالی اور پھر پیچھے کھڑی ملازمہ پر۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

حاتم نے بغور اس کی حرکت کو دیکھا۔  
”اب کوئی آنکلی چیز نہیں ہے۔ تمہیں جیسے اچھا لگتا ہے کرو میں انٹرفیر نہیں کروں گا۔“ وہ گلاس میں جو س انڈیلتے ہوئے عام سے انداز میں بتا رہا تھا۔

”میں نے یہ تو نہیں کہا تھا آپ اپنی پسند کی چیزیں نہ کھائیں۔“ وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔  
”صحت کے لیے اچھی نہیں ہوتیں یعنی نہیں کھانی چاہئیں۔“ حاتم نے مسکرا کر کندھے اچکا دیے۔

”آئی ایم سوری!“ میز پر دونوں ہاتھ رکھے وہ اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

حاتم نے حیرت سے اسے دیکھا۔ یہ وہ آخری بات بھی نہیں تھی جس کی وہ حرم مقداد سے توقع کر سکتا تھا۔

”کس لیے؟“

”اس دن جو بد تمیزی کی تھی اس کے لیے۔“ وہ شرمندہ تھی یا نہیں وہ اندازہ نہیں کر سکا۔

”جب سے آیا ہوں بہت بار کر چکی ہو کس والی کے لئے سوری؟“ وہ طنز نہیں کر رہا تھا لیکن وہ مزید شرمندہ ہوئی۔

”ہر اس دن کے لیے جب میں نے آپ سے بد تمیزی کی۔“ مشکل تھا لیکن اس نے کہہ دیا۔ حسد اور بغض بس ہمارے دل کو آلودہ کرتا ہے۔

”اٹس اوکے!“ وہ نرمی سے مسکرا دیا۔

”ایک سوال پوچھنا تھا تم سے۔“ اس نے جوس کا آخری گھونٹ بھرا حرم نے اب تک کسی چیز کو چھوا تک نہیں تھا۔

”پوچھیں۔“

”شام میں واپس آ کر بات کرتے ہیں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور اٹھ کر چلا گیا۔ حرم اسے جاتے دیکھتی رہی۔ کچھ لوگ اتنے برے ہوتے نہیں ہیں جتنا ہم تصور کر لیتے ہیں۔

اسے بھوک نہیں تھی لیکن اسے اب واقعی نارمل ہونا تھا سو اس نے زبردستی ناشتہ کیا اور پھر گھر میں کچھ چیزیں دیکھیں۔ گھر کو اپنے مطابق صاف کروایا۔ اس کا حرم مقدا دماڈ آن ہو رہا تھا۔

سب کرنے کے بعد بھی پورا دن باقی تھا۔ اسے سیم کو کال کرنی تھی لیکن وہاں پر رات تھی وہ اس وقت سو جایا کرتا تھا۔

پہلے وہ بی جان کے پاس گئی کافی وقت ان کے ساتھ گزارا اور پھر اوپر اپنے کمرے میں آ گئی۔ واٹس ایپ کھولا تو کچھ دیر قبل ہی سیم کا جواب آیا ہوا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ لیپ ٹاپ لیے بیڈ پر آ بیٹھی۔ کچھ دیر میں ہی رابطہ مل گیا۔ کینیڈا میں موجود اس کا پارٹنر ٹمنٹ روشن تھا۔ وہ کچن کاؤنٹر کے پاس کھڑا تھا۔

”ہائے کیسی ہو؟“ نیلی آنکھوں والا لڑکا مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا وہ ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس تھا۔ چہرے اور آنکھوں سے لگ رہا تھا جیسے ابھی جاگا ہو۔

”زندہ ہوں!“ وہ زخمی سا مسکرائی۔ جھوٹ نہیں بولا جاتا تھا اس سے یا شاید یہ صرف اسے لگتا تھا۔  
 ”یہی سب سے ضروری ہے۔“ کافی مشین کے پاس جاتے ہوئے وہ مسکرا رہا تھا۔ پتا نہیں لوگ اتنا کیسے  
 مسکرا لیتے ہیں؟

”میں کل باہر گئی تھی۔“ اس نے کہنا شروع کیا۔  
 ”بہت اچھی بات ہے، آگے؟“ اس نے کاؤنٹر سے ٹیک لگائی اور بازو سینے پر باندھ لیے۔  
 ”وہاں میں نے ایک باپ بیٹی کو دیکھا۔“ اس نے لب کاٹے نظریں ہنوز جھکی ہوئی تھیں۔

”تمہارے ایموشنز ٹرگر ہوئے اور تم رونے لگ گئی؟“  
 ”ہاں۔“ اس نے سر ہلایا آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا تھا۔ ”مجھے اتنے عرصے میں پہلی دفعہ محسوس ہو رہا  
 ہے ڈیڈ کی دیتھ ہو گئی ہے۔ میں کل سے بہت بار روئی ہوں۔ مجھ سے پراسیس ہی نہیں ہو رہا میں کیا  
 کروں؟“ میز پر سر رکھے وہ با آواز بلند رونے لگی تھی۔ بچوں کی طرح سسکیوں کے ساتھ۔

وہ خاموش رہا۔ اسے روتے دیکھنا تکلیف دہ تھا لیکن اس کے لیے بہتر تھا۔  
 وہ بنا وقفے کے روتی رہی ہر لمحہ نئی یاد ساتھ لیے آتا تھا۔ بہت سے منظر ذہن میں گھوم رہے تھے وہ مزید  
 شدت سے رونے لگتی۔

”حرم تمہارے فادر کی ڈیتھ ہو گئی ہے اور تمہیں یہ بات اکیپٹ کرنی ہے۔ پیرنٹس کی دیتھ قبول کرنا آسان نہیں ہوتا لیکن پھر کیا کرے بندہ؟“ وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

”تم یہ چیز تسلیم کر لو کہ تمہارے فادر اب نہیں ہیں۔“ وہ رکا۔ ”تمہیں ان کے بغیر اپنی زندگی گزارنی ہے۔ وقت نہیں ر کے گاتم پیچھے رہ جاؤ گی۔ میں نہیں چاہتا تم پیچھے رہ جاؤ۔“

اس نے سر اٹھایا۔ اس کے چہرے سے لگتا تھا نقصان بہت بڑا تھا ازالہ نہ باتیں کر سکتی تھیں نہ مرہم۔

”یہ سب بہت مشکل ہے میں ان چیزوں کو سروائیو ہی نہیں کر سکتی!“ اس کی آواز گیلی تھی۔  
 ”زندگی میں مشکلات تو ہوتی ہیں۔ مشکلات سے بھاگتے نہیں ہیں ان کا سامنا کرتے ہیں۔ سامنا کرو خود سے پوچھو تم کیا ہو اور تمہیں کیا کرنا ہے؟ اسی طرح اس کمرے میں محدود رہنا ہے یا زندگی کو دوبارہ سے جینا ہے؟“

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو گا۔“ وہ مایوس تھی۔

”تمہارے دین میں مایوسی کفر ہے۔“ اس نے یاد کروانا ضروری سمجھا۔

”میں اس سب سے کبھی ہیل نہیں کر سکوں گی۔“

”زندگی میں کچھ بھی ٹھیک ہوتا ہی نہیں ہے بس بیلنس ہو جاتا ہے۔ والدین کے انتقال سے ہم کبھی ہیل نہیں کر سکتے ہماری ذات کا ایک حصہ ہمیشہ اس ٹراما کے زیر اثر رہتا ہے۔“

”ایک مہینہ ہو گیا ہے میں نے انھیں نہیں دیکھا۔“ وہ سر جھکائے دوبارہ رونے لگی۔۔۔ سیم کے پاس تمام الفاظ ختم ہو گئے۔ اس وقت کچھ بھی کہنا بے معنی تھا۔

”حرم یہ تمہاری زندگی ہے۔ تمہارے بس میں ہے اسے تباہ کرو یا آباد لیکن کسی کے جانے سے زندگی ختم نہیں ہوتی ماں باپ کے جانے سے بھی نہیں۔ جو نقصان ہو گیا وہ ہو گیا مزید نہ کرو۔“ وہ نرم نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ”یہ وقت گزر جائے گا۔ تمہاری زندگی پڑی ہے خود کو یوں ضائع نہ کرو۔“

”تم نے تو بچپن سے اس طرح کے کرائیسیس دیکھے ہیں۔“ وہ مزید کچھ کہنے لگا تھا جب حرم نے سر اٹھایا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”ڈیڈ نے اس عورت کے بغیر رہنا سکھایا تھا اپنے بغیر نہیں۔“ حرم نے کہہ کر لیپ ٹاپ کی سکرین بند کر دی۔

ہر چیز ذہن میں گڈ مڈ ہو رہی تھی اسے واقعی اپنے اوپر غور کرنے کی ضرورت تھی۔ کافی دیر وہ یو نہی بیٹھی رہی۔ پھر کسی انجانے احساس کے تحت وہ اٹھی اور کمرے میں بنی اس چھوٹی بک شلف کے پاس آئی۔ وہاں بس چند کتابیں تھیں۔ اس کی سولہویں سال گرہ کے بعد سے جہازیب ہر سال اسے ایک کتاب

دیتے تھے۔ جنہیں اس نے کبھی پڑھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ لیکن کمرے کے ایک واضح حصے میں انہیں رکھا تھا تحفہ نہیں تحفہ دینے والا خاص اہمیت کا حامل تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر ایک کتاب اٹھائی۔ پہلا صفحہ کھولا وہاں پر ایک سطر لکھی تھی۔

”جسے صبر رہائی نہیں دلاتا اسے بے تاب و بے قراری ہلاک کر دیتی ہے۔“ اس نے ایک بار نہیں دس بار یہ سطر پڑھی۔ کچھ باتیں سمجھ میں نہ آکر بھی سمجھ آ جاتی ہیں۔ کسی اشارے کی طرح۔

ایک بہت پرانا منظر ذہن کی سکرین پر ابھرا۔ وہ سٹڈی میں کھڑی تھی بک شلف کے پاس جہازیب کھڑے کچھ تلاش کر رہے تھے غالباً کوئی نئی کتاب۔ دفعتاً مطلوبہ چیز ملنے پر وہ پلٹے اور مسکرا کر اسے دیکھا پھر آگے بڑھ کر وہ کتاب اس کے ہاتھ میں دی اس نے ہمیشہ کی طرح کتاب کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”یہ ساتویں کتاب ہے میں نے ایک بھی نہیں پڑھی ابھی تک۔“ وہ بے بسی سے مسکرائی۔ جہازیب نے اسے دیکھا اور پھر نرمی سے کہا۔

”جب میں موجود نہ ہوں تب پڑھنا۔“ وہ اس وقت الجھ گئی اسے سمجھ نہیں آیا وہ کیوں موجود نہیں ہونگے؟ والدین کے حوالے سے ایسی باتیں بندہ سوچتا ہی نہیں ہے۔

حال میں وہ کتاب پکڑتے ہوئے اس کے ہاتھوں میں لرزش تھی اور آنکھوں میں پانی۔ پھر وہ کتاب لیے بیڈ پر آ بیٹھی۔ اس نے کتاب کا پہلا صفحہ کھولا اور پڑھنا شروع کیا۔ پھر وہ یونہی ورق گردانی میں غرق رہی۔ اذان کی آواز آئی تو وہ چونکی پہلے اس نے گھڑی کو دیکھا اور پھر کتاب کے صفحے کو تین گھنٹے کیسے گزرے تھے اسے پتا ہی نہیں چلا۔ کتاب ختم ہونے والی تھی صرف چند صفحات باقی تھے لیکن اذان کے احترام میں اس نے کتاب بند کر دی۔

پھر وہ اٹھ کر نیچے آگئی کتاب اب بھی ہاتھ میں تھی۔ داخلی دروازے سے باہر نکلتے ہوئے اسے ایک ملازمہ نظر آئی۔

”روزی کو بولیں میرے لیے کافی بنا دے۔“ ملازمہ نے سر ہلادیا۔  
 ”میرے لیے چائے۔“ نووارد کی آواز پر وہ چونک کر مڑی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ پہلے زینے پر کھڑا تھا۔ کوٹ بازو پر ڈالے، کف کہنیوں تک موڑ رکھے تھے۔ وہ ہمیشہ کی طرح مسکرا رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آتا تھا لوگ ہر وقت کیسے مسکرا لیتے ہیں۔

”اسلام علیکم!“ ملازمہ اندر چل گئی تو اس نے کہا۔ حرم نے جواب دیا مگر یونہی کھڑی رہی۔ بے ساختہ حاتم کی نظر ہاتھ میں پکڑی کتاب پر پڑی۔



”یہ چاچو نے دی تھی؟“ اس کی آنکھوں میں کوئی عجیب سا تاثر ابھرا تھا جسے حرم نے دیکھا ایک لمحے کے لیے وہ ہر وقت مسکرا نے والے شخص سے مختلف لگا تھا۔

”کیوں آپ کو بھی دی تھی؟“ وہ سبزہ زار کی طرف چلنے لگی۔ یہ اشارہ تھا کہ وہ مزید بات کر سکتی ہے۔ وہ اس کے پیچھے چل دیا۔

”چاچو کی پسندیدہ کتاب ہے۔ وہ اپنی پسندیدہ کتابیں اپنے پسندیدہ لوگوں کو دیتے تھے۔“ وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بتا رہا تھا۔ اس بات کا اندازہ اسے ہو گیا تھا کہ حرم اس سے اس لیے بدگمان رہتی تھی کیونکہ اسے جہازیب کو بانٹنا پسند نہیں تھا۔

وہ سبزہ زار کے اس حصے میں آگئی جہاں فوارے کے ساتھ کرسیاں اور میز رکھی تھیں۔ شام ہو رہی تھی اس لیے فوارے کی سنہری روشنی بھی جلا دی گئی تھی۔

”کیسی لگی پھر یہ کتاب؟“ اس نے کرسی کھینچتے ہوئے پوچھا۔ جب تک وہ نہیں بیٹھی تھی حاتم کھڑا رہا تھا۔

”یہ تو مکمل کرنے کے بعد ہی بتا سکتی ہوں لیکن ایک بات کہوں گی۔“ اس نے کتاب میز پر رکھ دی۔ وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھا تھا۔

”کیا؟“ سینے پر بازو باندھے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

”Writers can heal something they never broke.“

”یعنی پسند آگئی ہے۔“ وہ ہنسا۔

”آپ نے پڑھی ہے؟“ سنجیدہ سا استفسار۔

حاتم نے سر کو خم دیا۔ حرم نے چند سوال کیے جن کے جواب وہ دیتا رہا البتہ اس نے یہ کتاب تب پڑھی تھی جب جہاز یب پڑھ رہے تھے انھوں نے یہ کتاب اسے تحفے میں دی تھی۔

کچھ دیر بعد ملازمہ کافی اور چائے لے آئی۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ اسلام آباد میں گرمیاں زردیر سے آتی ہیں اور جلدی چلی جاتی ہیں سوا ب شامیں ٹھنڈی ہونے لگی تھیں۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

آسمان زرد و سرمئی ہو رہا تھا۔ میز پر رکھے دو گز میں سے بھاپ اڑ رہی تھی۔

”کسی نے مجھے فالوریکویسٹ بھیجی ہے۔“ اس کے کہنے پر حرم نے سر اٹھایا۔

”آپ کو ایکسیپٹ کر لینی چاہیے۔“ وہ اپنے مگ کے کناروں پر انگلی پھیر رہی تھی۔

”لیکن کوئی کہہ رہا تھا میں ہر کسی کو فالو نہیں کرتی۔“ اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ اس نے چائے کا گک اٹھا کر لبوں سے لگایا۔

”کبھی کبھار کر لیتی ہوں۔“ اس نے کندھے اچکائے۔  
حاتم نے بغور اسے دیکھا وہ شاید کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی۔

”وجہ؟“ وہ اسی انداز میں مسکرایا۔

”خوش ہو جاتے ہیں لوگ۔“ ایسے کہا جیسے احسان کر رہی ہو۔ ”دیکھیں نا آپ کی مسکراہٹ ہی نہیں سمٹ رہی۔“ پہلے اس کی مسکراہٹ سمٹی اور پھر وہ بے ساختہ ہنس دیا فوارے کی سنہری روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی جس سے سنہری آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہو رہا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

حرم نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ ہنستے ہوئے اچھا لگتا تھا یا شاید ہر طرح اچھا لگتا بس اسے نہیں لگتا تھا۔

”شکریہ میڈم!“ وہ دوبارہ مسکرایا۔

”کس لیے؟“ حیرانی سے پوچھا۔

”لوگوں کو خوش کرنے کے لیے۔“ وہ ایسے کہہ رہا تھا جیسے واقعی اس کا مشکور ہو۔ سارے میں وہ پہلی بار مسکرائی۔

”ڈنر پر ملاقات ہوتی ہے۔“ وہ مسکرا کر کہتا اٹھا۔ حرم نے بس سر ہلا دیا بولی کچھ نہیں۔

اب بس وہ تھی اور فوارے کی سنہری روشنی، آسمان کا سرمئی سے سیاہ ہوتا رنگ، کافی کا مگ اور میز پر رکھی کتاب۔ فون نہیں تھا ورنہ، خیر اسے ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس نے وہی صفحہ کھولا جہاں سے چھوڑا تھا۔

کون سی دنیا؟ کہاں کے لوگ؟ کہاں کا احساس تنہائی؟

\*\*\*\*\*

شام ہونے کو تھی۔ صبح ہادی نے اسے کہا تھا وہ اسے کہیں لے کر جائے گا۔ وہ انکار کرنا چاہتی تھی لیکن وہ بات ہی ایسے کرتا تھا کہ انکار کرنا مشکل ہو جاتا تھا یا شاید بھائیوں کو انکار کرنا ہی مشکل ہوتا ہے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

کچھ دیر پہلے اس کی کال آئی تھی جس میں اس نے کہا تھا کہ وہ اسے لینے آرہا ہے۔ اب وہ عبایا پہنے تیار بیٹھی تھی۔ وہ ابھی تک آیا نہیں تھا سو وہ وٹس ایپ پر موصول ہوئے زروا کے میسیجز دیکھنے لگی۔

جس میں آج کے نفع، نقصان ہر چیز کی تفصیلات تھیں۔ جنہیں وہ ہمیشہ سرسری سادیکھ کر آگے کر دیا کرتی تھی۔

زروا کی عادت تھی وہ کاروبار کے حوالے سے چھوٹی بڑی ہر بات اس کو بتاتی تھی فجر کو کچھ خاص دلچسپی نہیں تھی۔ کیونکہ اس کے مطابق کاروبار اور محنت دونوں زروا کے تھے۔

پچھلے دنوں ایک پورا آرٹکل خراب ہو گیا تھا۔ جس کے باعث وہ قدرے پریشان تھی۔

فجر نے آج وہ سب چیزیں غور سے پڑھیں آخر میں وہ مسکرائی اور ہر روز لکھی جانے والی سطر دوبارہ لکھنا شروع کی۔

”مجھے تم پر اعتماد ہے۔“

ہارن کی آواز آئی تو وہ نیچے آگئی۔ نیچے کوئی بھی نہیں تھا ملازمہ بھی اپنے کواٹر میں تھی۔ زاہرہ کسی دوست کے ساتھ باہر گئی ہوئی تھیں۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ ابھی آخری زینے پر تھی جب اس کی نظر گھر کے اندر داخل ہونے والے شخص پر پڑی۔ وہ فون پر نظریں مرکوز کیے ہوئے تھا لونگ روم کے وسط میں کھڑے ہو کر اس نے دائیں بائیں دیکھا اور پھر سامنے۔

”چاچو کی فائل گھر رہ گئی ہے گرین کلر کی مجھے لادو۔“ آج وہ مسکرایا نہیں تھا۔

”او کے!“ کہہ کر وہ ان کے کمرے میں آگئی۔ ہادی کو عادت تھی اپنے دیے ہوئے وقت پر کبھی نہ آنے کی۔

اس نے کمرے میں نظریں گھمائیں۔ سامنے تو کوئی فائل نہیں تھی۔ اس نے سنگھار میز سے لے کر ہر دراز دیکھا لیکن وہاں کوئی فائل نہیں تھی۔ ہوتی تو یہیں ہوتی نا عجیب۔

وہ باہر آئی تو میز سے اپنا فون اٹھایا صوفے پر بیٹھے مرد نے مڑ کر دیکھا۔

”مل گئی؟“

”میں نے دیکھ لیا ہے اندر نہیں ہے میں بابا سے پوچھ لیتی ہوں۔“

”اندر لیفٹ والے لاکر میں ہے سوری میں بتانا بھول گیا۔“ اس نے معذرت کی۔ فجر بنا کچھ کہے واپس اندر چلی گئی۔ اب کی بار جب وہ واپس آئی تو مطلوبہ فائل اس کے ہاتھ میں تھی۔

اس نے فائل سامنے کی تو حسن نے تھام لی۔ پھر وہ باہر کی جانب بڑھ گیا۔ دفعتاً وہ پلٹا پھر رک کر اس کو دیکھا۔

”کہیں جارہی ہو؟ میں ڈراپ کر دوں؟“ انداز دوستانہ ہو گیا۔

”ہادی کے ساتھ جارہی ہوں۔“

”او کے!“ اس نے مسکرا کر کہا اور باہر نکل گیا۔ وہ اس دن کی نسبت قدرے سنجیدہ لگ رہا تھا۔ بہترین۔

کچھ دیر بعد ہادی آگیا تھا اور اب وہ اس کے ساتھ تھی۔ جب وہ آیا تھا تو کسی سے کال پر بات کر رہا تھا اب فارغ ہوا تو اس کی جانب دیکھا۔

”حسن آیا تھا گھر؟“ وہ عام سے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

”فائل چاہیے تھی کوئی۔“ اس نے سرسری سا بتایا۔ ”بابا نے بھیجا تھا۔“ رک کر اضافہ کیا۔

اس نے بس سر ہلا دیا۔ BEING THE STRING OF YOUR KITE

”ابھی بھی ناراض ہو؟“ کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔

”ناراض ہوتی تو ادھر نہ ہوتی لیکن یہ آخری بار ہے۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”میں شرمندہ ہوں۔“ وہ خفیف سا مسکرایا۔

”ہونا تو چاہیے لیکن لگ نہیں رہے ہو۔“ وہ اسے تادیبی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

”تم کیا چاہتی ہو پیر پکڑ لوں؟“ وہ گردن موڑے اسے دیکھ رہا تھا۔ ”اتنی منٹیں کوئی بیوی کی نہیں کرتا جتنی میں نے تمہاری کی ہیں۔ پھر بھی تم نے مجھے کسی خاطر میں نہیں لایا۔“

”اٹا چور کو تو ال کو ڈانٹے!“

”تم مجھے چور بھی کہہ رہی ہو؟“ اسے تو جیسے صدمہ ہی لگ گیا۔

”ہادی خاموش ہو جاؤ یہ نہ ہو میں یہیں پر اتر جاؤں پھر دکھاتے رہنا جو بھی دکھانا ہے۔“ وہ تنگ ہو رہی تھی اب وہ مزید تنگ کرے گا۔ بھائیوں کا پسند دیدہ مشغلہ۔

باقی کا سفر اسی نوک جھوک میں گزرا۔ ہادی اسے تنگ کرتا رہا اور وہ ہوتی رہی۔ انسان جتنا بھی میچور ہو جائے بہن بھائیوں کے ساتھ بچہ ہی رہتا ہے۔

اس نے جب گاڑی لکڑی کی باڑ والی زیر تعمیر عمارت کے سامنے روکی تو فجر حیران ہوئی۔ اطراف میں دیکھا شام رات میں تبدیل ہو چکی تھی۔ عمارت والا حصہ روشن ہوا تھا۔



وہ گاڑی سے باہر نکلا تو فجر بھی آگئی۔ کوئی عجیب سا احساس تھا جو اسے ہوا۔ ہادی اس سے زرا آگے چل رہا تھا پھر وہ رکا اور فجر کو آگے آنے دیا اب وہ دونوں ساتھ چل رہے تھے۔

عمارت کے داخلی حصے میں ایک چوکیدار معمور کیا گیا تھا۔

”دن میں یہاں کام چل رہا ہوتا ہے اس لیے یہ وقت اچھا تھا تمہیں لانے کے لیے۔“ وہ مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا۔

”لوکیشن اچھی ہے۔“ وہ زبردستی مسکرائی۔

”عالیشان نے پسند کی ہے۔“

”تم دونوں مل کر بزنس سٹارٹ کر رہے ہو؟“ وہ حیران ہوئی۔ ہادی نے باڑا ایک طرف کر کے اس کے لیے راستہ بنایا۔ فجر کو اب تک بس یہی پتا تھا وہ کوئی بزنس کرنے کا سوچ رہا ہے تفصیلات میں جانے کا موقع نہیں ملا تھا۔

”ہاں۔“

”دوستیاں اور کاروبار الگ الگ رکھنا چاہیے۔“ دور کہیں اسے ٹوٹی دوستیوں سے آج بھی ڈر لگتا تھا۔

عمارت کا داخلی دروازہ کھولتے ہوئے ہادی رکا۔ پلٹ کر اسے دیکھا وہ اس سے ایک زینا نیچے کھڑی تھی۔

”واقعی تم دونوں ایک جیسے ہو۔“ وہ بے بسی سے مسکرایا۔ فجر نے جواب نہیں دیا۔

جب وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو وہاں کوئی نہیں تھا البتہ تمام بتیاں روشن تھیں۔ سفید فرش پر بڑی بڑی سکیچ بکس اور ناپنے والا سامان رکھا ہوا تھا۔ کونے میں بنے کاؤنٹر پر کافی والے مگ رکھے ہوئے تھے۔

”غالباً تم کیفے بنا رہے ہو؟“ آس پاس کی چیزیں دیکھ کر اس نے یہی اندازہ لگایا تھا۔  
 ”ہاں اور۔“ وہ مزید کچھ کہہ رہا تھا جب اس کا فون بجا تو وہ خاموش ہو گیا پھر جیب سے فون نکال کر دیکھا۔ ضروری کال تھی اسے بات کرنی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

”میں بس دو منٹ میں آتا ہوں۔“ وہ معذرت والے انداز میں کہہ کر باہر نکل گیا۔  
 ”شیور!“ فجر بس مسکرائی اور اطراف میں دیکھا۔ وہ بائیں جانب والی دیوار کو دیکھ رہی تھی جس کے اس پار سڑک تھی۔ شیشے کے پار سے آتی سبز اور نیلی روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔  
 ”ہادی میں تمہیں بتا رہا ہوں ایسے نہیں چلے۔۔“ وہ خفگی سے کچھ کہتے ہوئے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ دفعتاً اس کی نظر دیوار کے پاس کھڑے وجود پر پڑی الفاظ ایک دم غائب ہو گئے۔ نظریں بس وہاں ساکت ہو گئیں جہاں وہ کھڑی تھی۔

آواز پر وہ چونک کر مڑی۔ وہ نیچے سے اوپر جانے والے پہلے زینے پر شکا کڈ سا کھڑا تھا۔ سفید شرٹ اور سیاہ جینز میں ملبوس۔ پیشانی پر بکھرے بال۔ آنکھوں میں بہت سے جزبات۔ بھوری آنکھیں سیاہ آنکھوں سے ملیں۔

بہت سی باتیں یاد آئیں۔ بہت سے زخم ہرے ہوئے۔ کئی بند باب کھلے۔

وہ اتنے عرصے بعد یوں سامنے کھڑی تھی۔ آج تو آنکھیں بھی مختلف نہیں تھیں۔ وہ اسے چاہ کر بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ پھر وہ دو قدم آگے آیا۔ شاید چار سال کا فاصلہ طے کرنے کی ایک ناکام کوشش۔

”کیسی ہو؟“ وہ زخمی سا مسکرایا۔ فجر کے لیے دنیا کی تمام گردشیں تھم گئیں۔ یہ اس کی زندگی کا وہ لمحہ تھا جس کے بارے میں اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ مگر عالیجان نے گزروں سالوں میں بہت بار سوچا تھا یہ لمحہ کیسا ہوگا؟

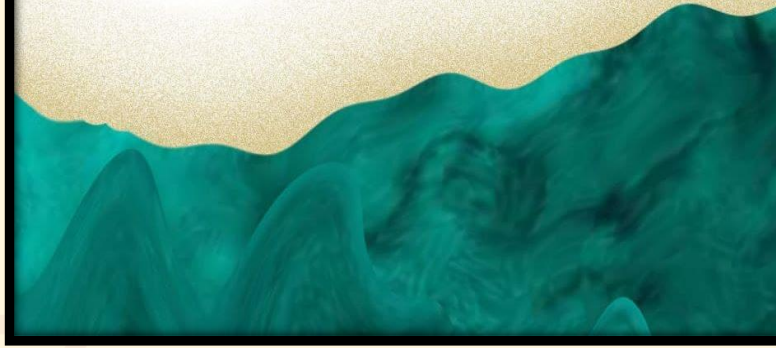
BEING THE STRING OF YOUR KITE

جاری ہے۔

باقی آئندہ قسط میں۔۔۔

# پل صراط

عنیزہ زاہد



"تم مجھے ایک برا انسان سمجھتی ہونا۔ مجھے پہچاننے میں تم سے ذرا سی غلطی ہو گئی۔ میں صرف برا نہیں، ایک بدترین انسان ہوں۔" وہ گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے ایک ٹرانس میں کہہ رہا تھا۔ شراب گلاس سے باہر گرنے لگی تھی پر اسے تو جیسے ہوش ہی نہیں تھا۔ پھر اس نے وہ گلاس اٹھایا اور اسکی طرف دیکھا۔

وہ خوف سے اپنی جگہ پر سمٹی۔ "کیا کہہ رہی تھی تم؟ اس وقت تمہارا کوئی موڈ نہیں ہے مجھ جیسے شرابی کے منہ لگنے کا؟" وہ خود سے سوال کرتا، خود سے جواب دیتا اس کے قریب بیٹھا۔ "اور یہ کہ میں نشئی ہوں؟ آج تمہیں بھی شراب کی لذت چکھاؤں گا۔" اس نے گلاس منال کے منہ کے قریب کیا۔

☆☆☆

'کبھی تو تو بھی محبت کرے گا۔'

فاران احمد نے محبت کی تھی!

'تو بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہے گا۔'

اس نے بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔

اور پھر۔۔ پھر وہ تجھے چھوڑ جائے گی۔'

اور پھر وہ اسے توڑ گئی۔

'پھر میں تیرے پاس آؤں گا۔ اور کہوں گا کہ دل پہ مت لے۔ وہ چلی گئی تو کیا ہوا، کوئی اور آجائے گی۔' اس کے جانے کے بعد کوئی نہیں آیا۔ اس نے آنے ہی نہ دیا۔

ایسین خان



# ابراہیم

"یہاں دستخط کرو غازہ ! " کاغذ غازہ کے سامنے کرتے ہوئے انہوں نے کہا تو غازہ نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے اس اجنبی شخص کو دیکھا جس سے ابھی وہ چند گھنٹوں پہلے ملی تھی۔ ان چند گھنٹوں کی ملاقات نے اس شخص کو اس کا مختار بنا ڈالا تھا۔ زندگی میں پہلی بار قلم پکڑتے ہوئے غازہ کے ہاتھ بڑی طرح کانپنے لگے۔ وہ تو با آسانی قلم تمام کر شفاف کاغذ پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ کر بہت سارے خاکے بنا لیا کرتی تھی، کچھ دھندلے ہوتے تو کچھ میں پہلی ہی حسرت میں جان موجود ہوتی۔

"تم رشتے کھونے سے ڈرتی ہو غازہ ! " سبیکہ کا چند روز قبل کہا گیا جملہ کان کے پردے پر ابھرا تھا۔ "بچ کہا تھا تم نے میں رشتے کھونے سے ڈرتی ہوں سبیکہ ! اور یہ نیا دھور رشتہ بھی شاید میں کھونے کے لیے ہی بنا رہی ہوں۔" دل میں اس کے کہنے کا جواب دے کر اس نے کاغذ پر قلم گھسیٹا تھا۔ عجیب بات تھی وہ ایک کاروباری شادی کے لیے دلہن بنی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"میری زندگی برباد کر کے تم یہاں سکون سے سو رہی ہو۔ شام سے مینو مجھے فون کر رہی ہے اور میں اس کا فون نہیں اٹھا رہا جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ میں اس سے بے وفائی کرنے پر بے حد شرمندہ ہوں۔ اپنی زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کو چاہا ہے اور تم زبردستی ایک بزنس ڈیل کی طرح میرے سر پر آ گئی ہو۔" وہ بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا اپنے اندر کا سارا انتشار اس پر انڈیل رہا تھا۔ غازہ خاموشی سے بس اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے واقعی ہی اس شخص پر ترس آیا تھا جس کی محبت آباد ہونے سے پہلے ہی اس کے باپ نے اجاڑ دی تھی۔ وہ بستر سے اتر کر اس کے نزدیک آئی تھی۔

"میں بہت تلخ ہو چکی ہوں کلج ! جانتے ہو کیوں؟" اس نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے انتہائی آہستگی سے کہا تھا۔

"کیونکہ اس دنیا اور معاشرے کی سفاکی آپ کو تلخ بنا دیتی ہے۔ اول تو مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم کسی سے کمینڈ ہو اور بالفرض اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو تب بھی میں وہاں کچھ نہیں کر پاتی۔ میں یہ کاغذی تعلق تب بھی نہیں روک سکتی تھی۔ تمہاری مجرم میں نہیں ہوں کلج ارسلان ! بلکہ اپنے مجرم تم خود ہو۔ مینو کے مجرم تم ہو جو محض اپنے باپ کی لالچ کے ہاتھوں اپنی محبت پر ایک کاغذی سوتن لے آیا۔" وہ سینے پر بازو پیٹنے انتہائی تلخی سے کہہ رہی تھی جبکہ کلج بس حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔



Click here

safareadab.com



دنوشہ آرزو

"جانتے ہو میرے لیے اب محبت کیا ہے۔" وہ آنسوؤں کو بمشکل روکے ہوئے تھی۔ "م جس سے (ال) مالک شروع ہوتا ہے، ج جس سے (ال) حلیم شروع ہوتا ہے، ب جس سے (ال) باری اور ت سے تمنا (وہ جو اللہ سے کی جاتی ہے) شروع ہوتی ہے۔ بس یہی ہے میرے نزدیک محبت!" وہ ضبط کی انتہا پہ تھی۔ "ایک وقت تھا تم میری تمنا تھے مگر اب صرف ایک ہی تمنا ہے میری۔۔۔ اللہ۔۔۔ بس اللہ۔۔۔" وہ رکی اور گہرا سانس لے کر بولی۔ "ایک بار بھابھی نے کہا تھا کہ ایک بار جو چڑھ جائے رنگ حب الہی تو اترتا نہیں۔۔۔! ہاں وہی رنگ چڑھ گیا ہے مجھے۔" وہ زید کی خاموشی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ اب ایک آخری جملہ رہ گیا تھا کہنے کو۔ وہ ہمت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی تھی کہ زید بولا۔ "تمنا تمہیں نہیں بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہارا ہوں، تمہارا تھا، اور تمہارا ہی رہوں گا۔ شوہر کی تمنا بھی ہوتی ہے بھلا کسی کو۔" وہ مسکراتے ہوئے کوشش کر رہا تھا۔

"شوہر کے غیر محرم ہونے میں بس ایک دستخط کی دیر ہوتی ہے۔" وہ سنگدل ہو چکی تھی۔ دوسری جانب زید کو دھچکا لگا تھا۔

☆☆☆

"مجھے سننے میں آیا ہے کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔" اسے جھکا لگا کیا وہ جان گئے تھے۔ وہ ذرا بوکھلا گئی مگر جھوٹ وہ نہیں بولنا چاہتی تھی۔

"جی، مگر آپ سے کس نے کہا؟" اس نے لکھ ہی دیا۔

"وہ اہم نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟" وہ کچھ مزید بوکھلائی۔ اب کیا کرے؟

"میں نہیں بتا رہی۔ ابھی کچھ کنفرم نہیں ہے۔ میں ایسے تو نام نہیں بتا سکتی نا؟" اسے یہی جواب ٹھیک لگا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ یہ تاثر دے گی کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے سوچنے کا وقت مانگا ہے۔ اب جھوٹ ہے تو جھوٹ سہی۔ شرم سے توجھ جائے گی نا۔

"ویسے تم نہ بھی بتاؤ تو میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔" وہ گھبراہٹ میں پگھل رہی تھی جلتی موم کی طرح۔

اچھا اتنے پریقین ہیں تو بتائیں نام؟" اس نے ڈرتے ڈرتے ناپ کیا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے ہی پسند کرتی ہو، آخر۔۔۔ وہ دم بخود رہ گئی۔ آخر وہ کیسے جان سکتے تھے؟ در اگر وہ جانتے تھے تو کب سے جانتے تھے؟ وہ حیران بھی تھی اور پریشان بھی۔

"اگر تمہاری مجھ سے شادی نہ ہوئی ہوتی اور تمہیں موقع ملتا تو کیا تم حسن خان کو اپنا بیٹا؟"

رقیہ الجھ سی گئی۔ "میں سمجھی نہیں آپ کی بات کا مطلب۔"

وارث جان نے بہت سوچنے کے بعد سوال کا انداز بدل دیا۔ "تمہیں مجھ میں یا حسن خان میں سے کسی ایک کو چننا ہو تو کسے چنوں گی؟"

رقیہ وارث کے اس سوال پر ناراض ہو گئی۔ "کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔۔ یہ کیسا عجیب سا سوال ہے۔ آپ شوہر ہیں میرے اور وہ کوئی نہیں میرا۔ بس ساتھ پڑھتا ہے اور اچھا کلاس فیلو ہے۔ اس کا آپ سے کیا مقابلہ بھلا!!"

وارث جان ابھی بھی الجھا ہوا تھا۔ "رقیہ میں صرف اور صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم حسن خان کے ساتھ کو پا کر خوش رہ سکتی ہو تو۔۔۔" اس کے باقی ماندہ الفاظ اندر کہیں دب کر رہ گئے تھے۔ رقیہ جو وارث جان سے کبھی اونچی آواز میں بولنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے وارث جان کے گال پر زور دار تھپڑ مار دیا۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ کیسے اس کا ہاتھ وارث پر اٹھ گیا۔

☆☆☆

"امبر تم نے کہیں رقیہ کو دیکھا ہے۔ مجھے گیٹ سے پتا چلا کہ رقیہ آچکی ہے۔" رقیہ کی حسن کی طرف بیک تھی۔ رقیہ مسکراتے ہوئے ہلٹی اور حسن خان وہیں دل تمام کر کھڑا ہو گیا۔ "اف۔۔۔ کوئی اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے۔" اس سے پہلے کہ حسن خان مزید کچھ اور کہتا رقیہ اس کی طرف بڑھی۔ حسن خان کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ آج وہ رقیہ کو پا لینے کے جنون سے آیا ہے۔ حسن خان کے ساتھ اس کی والدہ بھی تھیں۔ انہوں نے رقیہ کے لیے تعریفی جملے کہے اس طرح کہ۔ "بہت خوبصورت ہو تم اور آج تو بہت زیادہ حسین لگ رہی ہو۔ جانتی ہو آج مجھے کیوں لایا ہے اپنے ساتھ؟؟" ابھی وہ مزید کچھ کہتیں کہ رقیہ نے مسکرا کر حسن کو مخاطب کیا۔

"حسن ان سے ملو میرے سہنڈ۔ سردار وارث جان۔" حسن کی آنکھیں پھٹ سی گئیں وہ بے اختیار بولا "کیا؟؟؟ کیا کہا ہے تم نے۔۔۔؟؟؟ کون ہے یہ؟؟۔۔۔ مطلب تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے ان کا؟؟؟"

Click here

safareadab.com

وراثت

فاطمہ ملک

## ناؤں رقص کی دیک جھلک

ہر گرج دار آواز پر منابل کا دل سوکھے پتے کی  
طرح لرز رہا تھا۔ چہرہ پر بھی تھوڑا خوف واضح ہوا  
تھا۔ وہ سہمی ہوئی سی تھی۔

"کوئی مسئلہ ہے؟" سامنے دیکھ ڈرائیو کرتے اس  
نے بنا مخاطب کئے اس سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ مجھے کیا مسئلہ ہو گا؟" جواب دینے کی  
 بجائے اس نے الٹا سوال کیا۔

"ویسے ہی پوچھ رہا تھا۔" اب بندہ کیا ہی  
بولے۔ ہر بات پر چڑھ دوڑنے والا انداز اپنا لیتی  
ہے۔

وہ چپ چاپ ڈرائیو کرنے لگا۔ منابل بھی چپ  
رہی۔

توڑ رہی تھیں۔ باقی اندر بیٹھے دو انسان صم 'بکم' کی عملی تفسیر بنے ہوئے تھے۔

اب راستہ جنگل کی آخری حدوں پر تھا۔ اونچے نیچے ڈھلوان سیدھی سڑک سے ملنے جا رہے تھے تو کار میں ہلچل ہوئی۔

راجم نے یونہی کار چلاتے اس کی جانب نظر اٹھائی۔ وہ ویسے ہی بیٹھی تھی اسے بالکل فراموش اور نظر انداز کئے، سامنے سڑک کے نظارے کرتی۔ راجم ڈار کسی نازنین کے پہلو میں براجمان ہوا اور وہ کہیں دوسری جانب نظر بھی اٹھالے یہ ممکن نہیں تھا۔ یہ مبالغہ آرائی نہیں خود شناسی تھی۔ اس نے اکثر لڑکیوں کو خود پر نثار ہوتے دیکھا تھا مگر مقابل بیٹھی اس دوشیزہ کو

سڑک راجم سے زیادہ پرکشش لگ رہی تھی۔ جب سے بیٹھی تھی ایک نگاہ غلط بھی مناہل نے اس پر نہیں ڈالی تھی۔ وہ اسے مسلسل نظر

سفر بالکل خاموشی سے کٹ رہا تھا۔ وہ سامنے دیکھ ڈرائیو کر رہا تھا اور وہ ٹھنڈ سے بچنے کیلئے شال کو اپنے اوپر گس رہی تھی۔

دل ہی دل میں وہ مسکرا رہا تھا۔ جس طرح سے اس نے اس کی شال کو اپنے گرد لپیٹا ہوا تھا راجم کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ یہ شال اس کی تھی اور اس میں اس کی خوشبو بسی تھی۔ وہ اس کی خوشبو اوڑھے ہوئے تھی۔ راجم کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔

اپنے گھر کا راستہ وہ اسے پہلے ہی بتا چکی تھی اور وہ اسلام آباد کے ہر علاقے سے واقف تھا سو اس کیلئے اسے گھر پہنچانا مشکل نہیں تھا۔

کار میں چھائی خاموشی کو بیچ بیچ میں بجلی کی کڑک، بادلوں کی گرج، کتوں کے بھونکنے کی آواز اور دور جنگل سے آتی جھینگروں کی آوازیں

انداز کر رہی تھی اور دل پھر بھی خوش کن  
خواب بُن رہا تھا۔ گتھیاں سی سلجھ رہی تھیں۔

چاند کی تعریف کیوں کر رہا ہے؟ پوچھا تھا تو  
جواب تو دینا تھا سو اس نے کھڑکی سے باہر  
جھانکا۔

"?The moon is beautiful.Isn't it"

بادل پورے آسمان کو ڈھانپے ہوئے تھے۔ چاند  
تو چھوڑو ایک ننھا ستارہ بھی کہیں نہیں تھا۔ آج  
آسمان سیاہ سرمئی تھا، سفیدی کہیں ڈھونڈنے  
سے بھی نہیں مل رہی تھی۔

بادلوں کی گرج اور پھوار سی ٹھنڈک سی آواز  
مناہل کو گرماگئی تھی۔ بے ساختہ اس نے برابر  
میں دیکھا۔ وہ اسی کو دیکھ رہا تھا، انداز سوالیہ تھا۔

اسے کھڑکی کی جانب دیکھتے دیکھ وہ ہلکا سا  
جھکا۔ اسے بے ساختہ ہنسی آگئی تھی۔ اس کی توقع  
کے عین مطابق مناہل اس کے جملہ کا مطلب غلط  
ہی سمجھی تھی۔ وہ محظوظ ہوتا اسے دیکھنے لگا۔

"ہوں؟؟" اس نے الفاظ سننے ہی نہیں تھے، وہ تو  
آواز کے سحر میں کھو گئی تھی۔

"میں نے کہا"

کھڑکی کے باہر چاند کو اچھی طرح کھوجنے کے بعد  
وہ ناکام سی واپس مڑی۔

"?The moon is beautiful.Isn't it"

اس نے پھر وہی سرد گرم سی آواز میں  
دہرایا۔ اب کی بار مناہل نے الفاظ پر غور کیا تھا  
مگر اسے یہ بات سمجھ نہیں آئی تھی کہ وہ اس سے



"چاند تو کہیں نہیں تھا پھر اسے کون سا چاند دکھ  
گیا جو خوبصورت ہے؟" اس کی عقل پر مشکوک  
ہوتی وہ اسے دیکھ رہی تھی۔۔

مکمل ناول فری میں پڑھنے کے لیے یہاں  
کلک کریں۔

[safareadab.com](http://safareadab.com)

BEING THE STRING OF YOUR KITE

سفر ادب کی جانب سے ناولوں کی پی ڈی ایف کاپی کو ہر غلطی سے ماورا بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کسی بھی طرح کی غلطی پائی جانے پر اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ ہماری ٹیم کے تیار شدہ پی ڈی ایف کے تمام جملہ حقوق سفر ادب کے نام محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ کسی ادارے یا شخص کی جانب سے ہمارے کام کو اپنے آفیشل استعمال میں لانے کی کوشش کو غیر قانونی سمجھ کر سفر ادب کی جانب سے کارروائی کی جاسکتی ہے۔

- ٹیم سفر ادب